سہیل اختر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

مرتبین:

ڈاکٹر ظہیر دانش عمری

محترمہ ناہیدہ بیگم

ناشر

دارالقرطاس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی (رجسٹرڈ) کڈپہ

سہیل اختر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ
Suhail Akhtar ki Shairi ka tanqeedi Jaiza

Suhail Akhtar ki Shairi ka tanqeedi Jaiza

Compiled by:
Dr. Zaheer Danish Umari
Naheeda Begum

ISBN 978-81-984976-8-0

9 788198 497680

Publishers :
Darul Qirtas Educational and Welfare Society
8/209-1-3, Almas Pet, Bismillah Nagar, Kadapa - 1

سہیل اختر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

مرتبین:

ڈاکٹر ظہیر دانش عمری

ناہیدہ بیگم

ناشر

دارالقرطاس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی (رجسٹرڈ) کڈپہ

جملہ حقوق مضمون نگاروں کے نام محفوظ ہیں

نام کتاب: سہیل اختر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

صنف: تنقید

ترتیب: ڈاکٹر ظہیر دانش عمری، ناہیدہ بیگم

صفحات: 176 اشاعت: 2025

ناشر: دارالقرطاس ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی کڈپہ

ملنے کا پتہ:

ڈاکٹر ظہیر دانش عمری

مکان نمبر 5-8/209، الماس پیٹ، بسم اللہ نگر، کڈپہ

آندھرا پردیش

سیل: 9701065617

ISBN : 978-81-984976-8-0

انتساب:

میرے والدین کے نام

فہرست

گفتنی	ڈاکٹر ظہیر دانش عمری	7
اپنی بات	ڈاکٹر ناہیدہ بیگم	11
تنقیدی مضامین:		
مگر دراصل جو اختر ہے...	عبدالاحد سازؔ	15
سہیل اختر کا اخترستان	کوثر مظہری	18
سہیل اختر کی تخلیقی جست	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی	24
سہیل اختر.....جن کی منزلِ مقصود۔۔	ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری	30
زرخیز ذہن کا مالک..سہیل اختؔر	ڈاکٹر ای ایم ڈی انور حسین	35
سہیل اختر کی شاعری کا تاریخی پہلو	ہاجرہ خانم سروانی	38
سہیل اختر کی شاعری کا ایک اور تاریخی پہلو	ایس تحسین بیگم	41
سہیل اختر کی شاعری کا سیاسی پہلو	این ایس راشدہ آفرین	44
سہیل اختؔر کی غزل گیری (مزاحیہ)	مختار ٹونکی	48
حیات و کائنات کا شاعر.سہیل اختر	شاہد عزیز	63
غزل کا ایک معتبر شاعر..سہیل اختؔر	صدیق نقوی	66
ایک شاعر دو تخلص (مزاحیہ)	رفیع الدین مجاہؔد	71
سہیل اختؔر..غزلیہ شاعری کی اہم آواز	قیوم بدر	82
جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں	جاوید اختر اعظمی عمری	85
سہیل اختر کی ایک غزل	ڈاکٹر ایس ٹی نور اللہ	95

جدید لب و لہجے کا شاعر سہیل اختر	امام قاسم ساقی	98
ڈوبتا ابھرتا جزیرہ	اسرار اکبر آبادی	104
سہیل اختر کی شاعری ایک نظر میں	ڈی نظام الدین	109
نقوش پا سے بھی آگے ہے....	شاکر امتیازی	114
سہیل اختر..کامیاب غزل گو	ڈاکٹر سید امداد اللہ	118
سہیل اختر کی ایک غزل ''دوسروں ۔۔'' کا جائزہ	ایس نور جہاں	123
سہیل اختر کی غزل	سردار ساحل	126
سہیل اختر جدید شاعر	محمد محسن	130
شعر سہیل اختر بیک نظر	ڈاکٹر بنٹی فرید علی سید	133
روشن امکانات بیان کرنے والا شاعر سہیل اختر	ڈاکٹر ترنم منصوری	136
چھوٹی زمینوں کا بڑا شاعر سہیل اختر	نازیہ سلطانہ	142
سہیل اختر منفرد غزل گو	ممتاز سی ایچ	146
سہیل اختر کی غزل ''آیا تھا میں ۔۔۔'' کا جائزہ	انور ہادی	149

تبصرے

اردو بک ریویو کا تبصرہ	ڈاکٹر عبید الرحمٰن	153
زبان و ادب کا تبصرہ	پروفیسر علیم اللہ حالی	157
نئی کتاب کا تبصرہ	ڈاکٹر ذکی طارق	161
وسیلہ کا تبصرہ	ڈاکٹر ستار ساحر	164
ادب ساز کا تبصرہ	نصرت ظہیر	171

الف

(تنقیدی مضامین)

گفتنی

"کاغذ پہ صحراء" سہیل اختر کی تازہ کار شاعری کی اشاریہ ہے۔اہل ادب کے درمیان اپنی اشاعت کے چند دنوں بعد ہی یہ مجموعہ موضوع گفتگو بن گیا۔کسی نے اس کے اسلوب کی تعریف کی تو کوئی ان کے طرز اظہار پر مرمٹا۔کسی کو سہیل کی سادگی بھائی تو کسی نے سہیل کے دقیق زبان سے فرار کو ادب کا ایک اہم واقعہ قرار دیا۔الغرض اہل علم وادب نے کاغذ پہ صحراء کو خوب سراہا۔

یہ حقیقت ہے کہ سہیل اختر کم رسائل میں چھپتے رہے ۔رسائل و جرائد سے دور رہے ۔مشاعروں سے بھی ان کو الرجی رہی ۔مگران کی شاعری کا مطالعہ ہمیں باور کراتا ہے کہ وہ کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ہمارے اچھے سے اچھے شاعر کے کلام کے سامنے ان کا کلام بلا جھجک پیش کیا جاسکتا ہے۔

سہیل اختر اگر چہ اڑیسہ سے تعلق رکھتے ہیں مگر اردو اہل زبان سے اچھی بولتے ہیں۔لکھتے ہیں۔آپ نے غزل کے علاوہ نظم کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ترجمہ نگاری میں بھی درک رکھتے ہیں۔ ہندی میں ایک میگزین نکالتے ہیں۔اتنی ساری خوبیاں ایک آدمی میں جمع ہوں تو تعجب ہونے لگتا ہے۔آج کے دور میں صرف ایک صنف میں مہارت حاصل کرنا مشکل ہے تو کئی کئی چیزوں میں قابل رشک مہارت کمال نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

سہیل اختر کی غزل اپنی انفرادیت ،تیکھے،عام فہم لب و لہجے کے سبب تمام قسم کے قارئین کی اولین پسند بن گئی ہے۔ادب سے گہرا تعلق رکھنے والے اہل علم کے علاوہ عام اردو زبان کا علم رکھنے والے قاری بھی ان کے فدائی وشیدائی ہیں۔

ان کی غزل میں کلاسیکی انداز کے ساتھ ساتھ طرز نو سے مرصع اسلوب بھی ہے۔عشق ومحبت

کے موضوع کو بھی انہوں نے استعمال کیا ہے۔مگر ذرا احتیاط سے۔لہولہان سماج کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ خوشیوں سے معمور انسانوں کی بھی تصویر کشی کرتے ہیں۔انسانوں کی خود غرضیاں ،روحانی بیماریوں پر طنز سے بھرپور لب و لہجے میں وار کرنا ان کا وصف خاص ہے۔آج کے انسانوں کو مختلف بیماریوں نے گھیرا ہے۔کسی کو جھوٹ کا ملیریا ہے۔تو کوئی غیبت کے ہیضے میں مبتلا ہے۔کوئی سود خوری ،حرام خوری کے کینسر میں مبتلا ہے تو کوئی مکاری و عیاری کے خطرناک بخار کا مریض ہے۔مگر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ مریض کو اپنی بیماریوں کے بارے میں پتہ تک نہیں۔جب بیمار کو بیمار ہونے کا احساس تک نہ ہوگا تو بھلا وہ معالج سے کیوں رجوع کرے گا؟ دوائیاں کیوں لے گا؟اپنی بیماری کو ختم کرنے کی تدبیر کیوں کرے گا؟سہیل اختر نے انسان کی انہیں اندرونی بیماریوں کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔

سہیل اختر کی غزل لطیف،سہل،تعقید لفظی و معنوی سے پاک،عمدہ طرز اظہار سے مملوء،سادگی سے بھرپور،گنجلک اور پیچیدہ زمینوں اور لفظیات سے پاک سرسبز و شاداب زمینوں سے تعلق رکھنے والی غزل ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ میرے دعوے کے ثبوت کے لئے یہ اشعار کافی ہیں

اب زمیں پر مستقل رہنے سے ہم اکتا گئے
سامنے ہے اک فلک سو گھوم آنا چاہیے

مختلف رخ پہ تو جانے کے کئی رستے ہیں
اس کی جانب بھی کسی راہ کو موڑا جائے

شاید ایک بوند خلوص اب بھی ہو باقی اس میں
جسم اپنا ہی کسی روز نچوڑا جائے

کہاں مزاج رہا اب وہ آتشوں والا
حضور جام پیا ہے نوازشوں والا

اُدھر یہ خوف کہ دامن نہ بھیگنے پائے
اِدھر یہ جشن کہ موسم ہے بارشوں والا

برے دنوں میں جو کام آئی تو یہ خوش فہمی
کہ وقت آن پڑا آزمائشوں والا
اجڑ رہا تھا ایک شہر اور سب خموش تھے
سنا گیا تماش بین سارے اہلِ ہوش تھے
بنے ہوئے ہیں دن کی روشنی میں بدھ کی مورتی
سیاہ کاریوں میں شب وہی سفید پوش تھے
وجود اپنا کہاں تائیہ بھر تھا
وہ اقرارِ ازل تمہید بھر تھا
پسِ منظر ہوا ہے پیش منظر
دھند لکا بس ذرا تر دید بھر تھا
چلو مانو سیت تھی تیرگی سے
کوئی تارہ کہاں امّید بھر تھا

سہیل اختر کا اسلوب غزل میں نکھر کر سامنے آتا ہے۔غزل ان کے یہاں ایک مقدس و معتبر صنف سخن ہے ۔اس لئے اظہار کے وسیلے کے بطور انہوں نے غزل کو اپنایا ہے۔غزل کو انہوں نے پوری قوت ،شدت ،نزاکت و لطافت کے ساتھ برتا ہے،غزل کی رعنائی ،حسن،خوب صورتی سے سہیل اختر بخوبی واقفیت رکھتے ہیں، اس لئے ان کی غزلوں میں ایک انوکھا حسن اور عجیب طرح کا انداز نظر آتا ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ بعد مرگ ادیبوں کے خصوصی نمبر نکالنے کی روایت کا ذکر انہوں نے کس کرب سے کیا ہے

مر گیا سہیل اختر
ہوگی اب ثنا خوانی

اللہ کا شکر ہے کہ اردو والوں سے آہستہ آہستہ یہ شناعت ختم ہوتی جارہی ہے ۔مگر اس کا

ناجائز فائدہ کچھ ناادیب قسم کے لوگ اٹھارہے ہیں۔لیکن ہمارے ممدوح سہیل اختر معتبر ،جینئس فنکار ہیں۔جن کا ہر لفظ اپنے معتبر ہونے کی گواہی خود دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ان کا ہر لفظ احساس صداقت کا پیکر ہے۔ان کا ہر لفظ تخلیقیت کی آنچ میں جل کر کندن بن گیا ہے۔ان کی شاعری میں خوبیاں زیادہ ہیں تو خامیاں کم ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ اردو کے مستقبل کے لئے فال نیک ہے۔

''سہیل اختر کی شاعری کا تنقیدی جائزہ'' سہیل اختر کی انہیں تخلیقی صلاحیتوں کا برملا اعتراف ہے۔ان کی غزل گوئی کی تحسین ہے،افسوس کہ یہ کتاب ان کے انتقال کے بعد منظر عام پر آرہی ہے، لیکن اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے کئی سال قبل جو محنت کی تھی وہ اب ٹھکانے لگ رہی ہے اور بہترین اہل قلم کا مجھے تعاون حاصل رہا ہے ،امید ہے کہ اہل ادب کے لئے اور سہیل اختر کی شاعری کے مداحوں کے لئے یہ کتاب یہ قیمتی تحفہ ثابت ہوگی۔

فقط

ڈاکٹر ظہیر دانش عمری، کڈپہ

8/209-5,Al-Mas pet,

Usman Nagar,KADAPA 516001 (A.P)

zaheer_dani@yahoo.com,cell:9701065617

اپنی بات

ناہیدہ بیگم

صدر شعبۂ اردو

گرراج گورنمنٹ کالج (خود مختار) نظام آباد

سہیل اختر دور حاضر کے نہایت بے باک اور بے مثل شاعر کا نام ہے، انہوں نے اپنی غزلیات سے ایک عہد کو متاثر کیا ہے، ان کی زبان ان کے انداز بیان کے کیا کہنے، وہ لاجواب زبان استعمال کرنے پر قادر ہیں، انہوں نے عصر حاضر کی تکالیف کو اپنی غزلوں کا موضوع بنایا ہے، ان کے یہ شعر اولین قرآت میں ہی ہماری توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتے ہیں ؂

جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں
جو تجھ کو لکھوں تو کاغذ بھی جیسے پھیلتا ہے
وہ چاہتا تو مری شب بھی جگمگا اٹھتی
رخ سحر پہ مگر کولتار انڈیلتا ہے
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبّارے میں رہتی ہے
اور اس کے بر عکس یہ نسبتاً تہہ دار پیرایہ:
مرے ہی دم سے ہوا معتبر وہ شخص مگر

نہیں اسی کے بیاں میں مرا حوالہ بھی
ہے کون اپنا؟ یہ درد آخر بنا تماشا

گلہ بھی کیسا تماش بینوں کی بے حسی پر
ہو چکا خاک اگر سب مرے اندر اندر
کیوں مرے سانسوں سے جلنے کی مہک جاتی نہیں

نئی لفظیات کو نئے طرز ادا کے ساتھ انہوں نے اپنی غزلوں میں برتا ہے،ان کا اولین شعری مجموعہ جس کا نام کاغذ پہ صحرا ہے، نام سے ان کی معنی خیزی ظاہر ہوتی ہے اور ان کی فطرت، جدید سے جدید مضامین کی تلاش، نئے موضوعات تراشنا، نئی دنیاؤں کی سیر کروانا ان ک فطرت ثانیہ ہے۔

سہیل اختر کے یہاں تخلیقی وفور نہایت شدومد کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا ہے، تخلیقی سطح پر وہ جس طرز ادا کے مالک ہیں، جس طور وہ شعر کہنے پر قادر ہیں، جس طریقے سے وہ شعر وحکمت کی باتیں اپنی شاعری میں کرتے ہیں یہ طور، یہ طرز ادا، یہ انداز دلبری مفقود اور مجہول ہے، وہ معنی کی پرتوں کو اس انداز سے اپنے قاری کے سامنے کھولتے ہیں کہ بار بار پڑھنے والا ان کی شاعری سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مسرت ومحبت کے نئے جہان میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

سہیل اختر نہایت پختہ کار قلم کار ہیں، مختصر بحروں اور طویل بحروں میں بھی وہ اس حسین انداز میں جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کی مشاقی اور طبیعت کی بوقلمونی پر بے اختیار دل صاد کرنے کو چاہتا ہے، ان کی شاعری سے چند مثالیں یوں ہیں ے

یہاں بھی آ گئی ہیں شہر کی کدورتیں تمام
کہ اب رہا نہیں ہے لائق قیام گاؤں تک

....

شہر کرفیو میں ہے ویران سڑک چپ ہیں شجر
بالکنی سے میری چڑیوں کی چہک جاتی نہیں

..

لئے ہم فاختہ پہونچے کہ طے تھا امن ہونا ہے
مگر اپنی کلائی پر وہ ظالم باز لایا تھا

...

لوازمات ہیں تمام زندگی کے شہر میں
مگر ہے پھر بھی روزافزوں شرح خودکشی عجب

.....

ہر اک ذہن پر، نظریہ چینلوں کا ہے اثر
اب اختلاف رائے کی زمین بھی سمٹ گئی

مختصر لفظوں اور مختصر الفاظ کو استعمال کر کے انہوں نے جس کامیابی سے شعر نکالے ہیں کہ پڑھتے ہیں تو بڑا لطف آتا ہے، ہمارا ہر طرف سے کٹ کران کی شاعری کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، چند لفظوں میں معنی خیز اشعار یوں پیش کرتے ہیں کہ ؎

مجھے نادار کر
مگر خودار کر

..

نہ مجھ پر بار ہو
نہ مجھ کو بار کر

..

تری لوتھی کہ کیا تھا؟

چراغوں سا جلا ہوں

..

منتظر کولمبس کا

بے نشان جزیرہ ہوں

..

جھوٹ کو قبا دینا

اور سچ کو عریانی

...

سچ کی تمثیل نہیں ہو سکتا

خواب تشکیل نہیں ہو سکتا

مگر دراصل جو اختر ہے ....

عبدالاحد ساز (ممبئی)

سہیل اختر فی زمانہ ان شعراء کے زمرے میں، جو اپنے پیرائیہ اظہار اور اندازِ ترسیل کے تشکیلی مدارج سے گذر رہے ہیں، خاصے اہم ہیں۔ شاعری تو انہوں نے اپنے اسکول کی طالب علمی کے زمانے ہی میں شروع کر دی تھی لیکن تب سے اب تک تخلیقی سفر میں ان کے یہاں چند برسوں پر محیط وقفے اور ناغے وارد ہوتے رہے ہیں۔ اس سے ان کی شاعری پر دو متضاد اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشقِ سخن کے تواتر سے کلام میں جو صفائی اور چستی اور دیگر فنّی لوازسات کے برتاؤ پر جو قدرت پیدا ہو سکتی تھی وہ خاطر خواہ نہ ہو سکی۔ مگر دوسرا افادی اثر یہ کہ وہ عجلتِ اظہار اور تسلسلِ شعر گوئی کی بنا پر محض مشقِ سخن کا جوہر دکھا کر رہ جانے والی شاعری سے بھی بچ گئے۔ ان بے اظہار اور لا کلام خاموش وقفوں نے انہیں بتدریج ادراک و تفہیم کے مواقع فراہم کئے اور خیالات و محسوسات مشاہدات و تجربات کے پروان چڑھنے کی مہلتیں مہیا کیں۔

چنانچہ ان کی غزلوں میں اپنے عصر کے جذباتی معاشرتی اور نفسیاتی فہم، اظہار کی کچھ شخصی تازگی لئے ہوئے سامنے آئی ہے۔ کہیں تو بالکل براہِ راست، کہ یہ اس عہد کا مزاج بھی اور کہیں زیریں انداز میں کہ تخلیقی اظہار کا برتر تقاضہ یہی ہے۔ ان دونوں پیرایوں کو مثال کے طور پر ان چند اشعار میں دیکھئے:

اول الذّکر پیرایہ:

نہ نام ہے نہ شکل ہے قریب ہے نہ دور ہے

جہاںِ برقیات کے تعلقات بھی عجب
لوازمات ہیں تمام زندگی کے شہر میں
مگر ہے پھر بھی افزوں شرحِ خودکشی عجب
سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں جیبوں میں رکھتے ہیں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبّارے میں رہتی ہے

اوران دونوں پیرایوں کے علاوہ گاہے گاہے یہ روایتی الزام بھی ہے:

وہی ہے تشنگیِ کاروانِ اہلِ شوق
رہِ طلب کی فراوانئ سراب وہی

اسی تناظر میں اگر سہیل کے عشقیہ اشعار بھی دیکھے جائیں تو یہ فرسودہ رومانی مفروضات سے یکسر الگ عشق کے عصری تجربوں سے ماخوذ ہیں۔فراقؔ گورکھپوری کا ایک شعر معاً ذہن میں آرہا ہے:

کسی کا کون ہوا یوں تو عمر بھر ، پھر بھی
یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی

فراقؔ نے اپنی تمام جمالیاتی ترجیحات کے باوجود ایسے کئی اشعار کہے ہیں جو تعلقاتِ حسن وعشق کے محفوظ اور مانوس تلازموں سے بالکل جداگانہ، بلکہ ایک طرح سے رومانیت کی نفی لئے ہوئے ہیں ۔فراق کے اس قبیل کے اشعار نے ان کے بعد تین چار نسلوں کی رہنمائی محبت کی پیچیدگیوں کو عہد حاضر کے سیاق میں فراہم کرواتے ہوئے کی ہے۔اس ضمن میں سہیلؔ اختر کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

جب سے جانا اسے کھونے کے فوائد ہیں بہت

بھول جاتا ہوں تو نقصان بھی کم پڑتا ہے
عشق نازک سا وہ جذبہ ہے جو اندر اندر
کبھی چبھتا بھی رہے اور کبھی مخمل ہو جائے
خود فریبی کی ہی کوشش تھی محبت میری
عمر بھر ساتھ بھی اب کون یہاں رہتا ہے

سہیل اختر پیشے کے اعتبار سے ایک ماہر اور تجربہ کار عمارتوں کو ڈیزائن کرنے والے انجینئر ہیں۔عمارت کی تشکیل اور غزل کی تخلیق میں ذہنی سطح پر ضرور کچھ مماثلتیں ہوں گی۔جس طرح وہ اپنے تصور میں بنتے ہوئے نقشے کو بڑی ہنر مندی کے ساتھ کانکریٹ کے قالب میں ڈھالتے ہیں اسی طرح اگر وہ مزید عشق و مزاولت سے اپنے اندر کے جذبہ وفکر کے سیال کو بھی اپنے الفاظ کے مطلوبہ سانچے میں ڈھال سکیں تو وہ دن دور نہیں جب انہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہے گی:

رہائی قید معافی سے لفظ پا نہ سکے
میں چاہتا ہوں بہت پر کہا نہیں جاتا

اور اپنے شعری انفرادی شباہت کی نمود کے بارے میں انہیں یہ احتمال بھی کم ہی باقی رہے گا ؎

بس اک ذرا سا جھلکتا ہے اپنے شعروں میں
مگر دراصل جو اخترؔ ہے وہ ہے اور کوئی

سہیل کا اخترستار

کوثر مظہری

اردو غزل کا فن مجاہدہ چاہتا ہے۔ یہ بہت ہی نازک لیکن سخت جان صنف سخن ہے۔ اردو شعر وادب کا تقریباً ہر شہسوار پہلے پہل اسی کی طرف لپکتا ہے۔ کسی کو تو یہ اپنے سینے سے لگا کر پیار کرتی ہے۔ کسی کو اپنے پہلو میں فقط بیٹھنے کی اجازت دے دیتی ہے اور کسی کو لائق اعتنا ہی نہیں سمجھتی اور ایسا شہسوار کسی اور میدان ادب کی طرف نکل جاتا ہے جیسے تنقید، افسانہ، انشائیہ وغیرہ۔ سہیل اختر کی غزلوں کو پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ غزل نے انہیں ابھی سینے سے لگایا تو نہیں ہے البتہ اپنے پہلو میں بیٹھنے کی اجازت دے دی ہے۔ اگر سہیل اختر اس غزل کے عشق میں ثابت قدم رہے تو ایک دن وہ انہیں سینے سے بھی لگا لے گی۔

سہیل کی تلاش وجستجو جاری ہے اور ساتھ ہی ان کی تخلیقی قوت انہیں ہمہ وقت مصروف ریاضت رکھتی ہے۔ زمانے بھر سے انہیں شکایت ہے وہ کہتے ہیں:

تلاش جس کی ہے وہ شئے ملے بھی کیسے سہیل
کہ جستجو کو زمانہ مری نکیلتا ہے

نکیل سے "نکیلتا ہے" فعل بنانا بھی ان کی تخلیقی جدت کو ظاہر کرتا ہے۔ محبوب جو اردو غزل کا ایک واضح اور مستحکم کردار ہوتا ہے، سہیل اس کی اہمیت اور عظمت کا اعتراف بھی

کرتے ہیں اور اس کی مجبوری پر شکایت بھی کرتے ہیں۔ دونوں جہتوں کو ان دو شعروں میں دیکھ سکتے ہیں:

جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں
جو تجھ کو لکھوں تو کاغذ بھی جیسے پھیلتا ہے

وہ چاہتا تو مری شب بھی جگمگا اٹھتی
رخ سحر پہ مگر کولتار انڈیلتا ہے

رخ سحر پر کولتار انڈیلنے کا استعارہ کریہہ اور کھردرا ہے اور زمانے یا محبوب کی حد درجہ بے اعتنائی کو ظاہر کرتا ہے لیکن اس تاریکی میں کہیں ایک اختر شب کی چمک بھی دکھائی دیتی ہے جسے امید کی کرن سے تعبیر کر سکتے ہیں:

لاکھ تاریک ہو شب میری ہے امید مجھے
اک ستارے نے چمکنے کی عنایت کی ہے

''ایک ستارہ'' محبوب کا وعدہ ہو سکتا ہے یا خود محبوب کا دیدار یا دل کی آرزو بھی ہو سکتی ہے۔ عاشق شب تار سے خائف اس لیے نہیں ہے کہ اسے محبوب کی آمد یا محبوب کے دیدار کی امید ہے جو اس کے لئے روشنی کی مانند ہے۔ شعور حسیت (Sense of Sensiblity) آج کے شاعر کے یہاں خوب ملتا ہے۔ داخلی حسیت پر خارجی جبریت کا احساس بھی شاعروں کا سرمایہ تخلیق ہے۔ سہیلؔ کی غزلوں میں بھی اس کے عکس کو دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بے یقینی، اجنبیت، بے گانگی، محبوب سے گریز پائی اور تذبذب کے نقوش سہیلؔ کی شاعری میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ چند اشعار مرے موقف کی تائید کریں گے:

گرد آلود مری آنکھ، یہ مجمع بھی وہی

میرے اطراف عجب زرد سماں رہتا ہے
ہجر کا زہر بھی چڑھنے لگا اب نس نس میں
ہے جو تریاق خدا جانے کہاں رہتا ہے
نہ زینے پر کوئی آہٹ نہ در پہ ہے دستک
تو کیوں سکون سے گھر میں رہا نہیں جاتا
کچھ ایسے زخم کسی کو دکھا نہیں سکتے
کچھ ایسا درد جو بالکل سہا نہیں جاتا
وقت نے اتنی گزارش بھی مری ٹھکرا دی
آرزو تھی کوئی اک پل بھی مرا پل ہو جائے

''زردسماں''، ''ہجر کا زہر'' اوپر کے دونوں شعروں میں حزنیہ کردار خلق کرتا ہے۔ جب کہ تیسرے شعر میں عاشق کردار کے اندرونی اضطراب و کشمکش کو پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے شعر میں زخم اور درد دونوں کو غیر مرئی طور پر پیش کیا گیا ہے۔ درد تو خیر غیر مرئی داخلی احساس کا نام ہے لیکن زخم تو ایک ٹھوس اور مرئی حقیقت ہے جسے شاعر کسی کو دکھانے سے قاصر ہے۔ دراصل وہ مرئی اب بھی ہے لیکن شاعر اُسے کسی کو دکھانے سے گریز کرتا ہے۔ شاید اس زمانے یا محبوب کی ستم ظریفی پر پردہ ڈالنا اس کا مقصود ہو۔ عشق کے رموز و نکات میں سے ایک نکتہ پردہ داری بھی ہے۔ آخری شعر میں ''وقت'' کو محبوب کے لئے بطور کنایہ کے استعمال کیا ہے۔ محبوب (وقت) نے عاشق کی کسی آرزو کی تکمیل نہیں کی۔ زندگی کا کوئی پل معتبر تبھی ہو سکتا ہے جب محبوب اپنے عاشق کی طرف ملتفت ہو جائے۔ ''وقت'' کا استعمال سہیل کی فنّی بالیدگی کو ظاہر کرتا ہے۔ عشق کے بارے میں غالبؔ نے کہا تھا کہ یہ ایک ایسی آگ ہے جو لگائے لگتی نہیں اور اگر لگ جائے تو بجھائے بجھتی نہیں۔ سہیلؔ اختر کا بھی اپنا ایک جداگانہ تجربہ ہے اور کیا خوب اور فطری ہے:

عشق نازک سا وہ جذبہ ہے جو اندر اندر

کبھی چبھتا بھی رہے اور کبھی مخمل ہو جائے

عشق کے مرحلے میں محبوب کا اپنے بیمار عاشق کے پاس آنا شفایابی کا ضامن بھی ہوتا ہے

دیکھئے:

اب کوئی زخم ہو بھر جائے گا مجھ کو ہے یقیں

آ کے اک پھول نے کل میری عیادت کی ہے

سہیلؔ نے محبوب کو پھول کہا ہے۔ زخم اور پھول میں ''رنگ اور نزاکت'' قدر مشترک ہیں۔ زخم کو بھی اردو شاعری میں پھول باندھا گیا ہے۔ سہیلؔ کی غزلوں میں حسن و عشق کی واردات اور اس سے پیدا ہونے والے پیچ و خم تو ملتے ہی ہیں، ایک طرح کی بے بسی اور الم ناکی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یوں بھی کسی شخص کی افادیت وطبع میں تضادات نہ ہوں تو فن میں تنوع پیدا نہیں ہوتا۔ دھوپ چھاؤں اور خوش وغم کے سائے کسی تخلیق کار کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سہیل کے یہاں بھی یہ فکری تضاد موجود ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ اس سے تخلیق میں تب وتاب اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔ یہ اشعار اس زمرے میں رکھے جاسکتے ہیں:

چھٹا ہے قافلہ افتاد طبع سے اپنی

جہاں جہاں تھا سنبھلنا پھسل کے دیکھا ہے

کتنی خواہش تھی اتر تے کبھی اس جھیل میں ہم

شوقِ ناکام لبِ آبِ رواں رہتا ہے

جسے جہان دیا قرار اس کا لے لیا
جسے نہیں دیا ہے کچھ سکون دے دیا اسے

حُزنیہ مضامین کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بہت سے اشعار ہیں جن کی زیریں لہروں (Under Current) میں حُزن والم کے چہرے بنتے بگڑتے نظر آتے ہیں۔ سہیلؔ کی غزلوں میں جدید حسیّت اوراسی کے مطابق ترکیب سازی اور نئے تیوراور لہجے کی عکاسی بھی دیکھنے کوملتی ہے۔ چندخوبصورت سے اشعار دیکھئے جن میں وفورِشوق اور جذب دروں کونئی حسیّت سے سہیلؔ نے ہم آمیز کرنے کی فنکارانہ کوشش کی ہے:

کہکشاں ساری مری ہے مجھ میں
پر مرا چاند ہی کترائے تو

ٹھٹھر رہا تھا اپنی ہی دسمبروں میں کب سے وہ
تو میں نے جا کے اپنا سارا جون دے دیا اُسے

سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں جیبوں میں رکھتے ہیں
انہیں لگتا ہے ہمّت میری غبارے میں رہتی ہے

جائیں تو جائیں کہاں لے کے ہم اپنا یہ جنوں
ایسی وحشت کو بیابان بھی کم پڑتا ہے

غزلوں میں اپنے جذبات اوراحساست کولفظوں کے پیکر میں ڈھالنااوروہ بھی کامیابی کے ساتھ کوئی آسان نہیں۔اس وادئی غزل میں بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑائے ہیں۔خوشی کی بات یہ بھی ہے کہ سہیلؔ اختر زبان وفن پرگرفت رکھتے ہیں،ساتھ ہی اپنی ایک الگ ڈگر قائم کرنے کی

کوشش بھی کرتے ہیں۔ان کی غزلوں میں نئی غزل کے نئے نئے امکانات ملتے ہیں۔امید ہے کہ خدا نہیں اس وادی غزل سے کامیابی کے ساتھ گزار دے گا۔انہیں غزل کی بھیڑ میں تماشائیوں کی پرواقطی نہیں کرنی چاہیے۔دوستو!ان کا یہ شعر پڑھئے اور پورے مجموعۂ غزل سے سرشار ہوجایئے:

میں نے رنگوں کی حکومت سے بغاوت کی ہے
جرم تسلیم ہے، خوشبو سے محبت کی ہے

سہیل اختر کی تخلیقی جست

ڈاکٹر مناظر ہرگانوی (بھاگلپور)

سہیل اختر تازہ کار غزل گو ہیں ان کی غزلوں میں مجرد تصورات ،تفلسف کی لہروں ،عقلیت کے سرمایہ اور اسلوب کی چمک سے آشنائی ہوتی ہے۔ان کے یہاں وسیع النظری ہے، گہرائی ہے ،ترکیبی ہیئت ہے ،اظہار کی ساختیں ہیں ،تجسس کی لچک ہے اور عطر کے تناظر میں غور وفکر کی ترجمانی ہے،محسوسات وجذبات کی کیفیت کی ہمہ پہلوئی بھی ان کی غزلوں کی صفت ہے ۔

کیا کبھی شب کو دن بنا پایا ؟
آدمی کو بھی اختیار ہے کچھ ؟

....

سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں جیبوں میں رکھتے ہیں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے

....

جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں
جو تجھ کو لکھوں تو کاغز بھی جیسے پھیلتا ہے

....

یہ دفتروں سے لوٹتی تھکی اداس لڑ کیاں

بغیر آرزو کے جی رہی ہیں زندگی عجب

....

شہر کرفیو میں ہے سنسان گلی چپ ہیں شجر

کانپ جاتا ہوں جو پتا بھی کڑکتا ہے کوئی

اپنے دور کی روایت اور سماجی منظرنامے پر سہیل اختر بھرپور نگاہ ڈالتے ہیں۔

ہر ایک ذہن ہر نظر پہ چینلوں کا ہے اثر

اب اختلاف رائے کی زمین بھی سمٹ گئی

......

ایک جیسی ہے یہ خوں ریزی کی تفصیلی تمام

اب پڑھا کرتے ہیں ہم سرخئی اخبار فقط

....

ملی جلی وہ گاؤں کی بھی زندگی اجڑ گئی

سبی ہے اب مہا نگر میں لاتعلقی عجب

....

نہ نام ہے نہ شکل ہے قریب ہے نہ دور ہے

جہان برقیات کے تعلقات بھی عجب

مواد کی شخصی آنچ کے ساتھ لفظیات کو برتنے کی جدت سہیل اختر کے یہاں لاشعوری طور پر سامنے اتی ہے جس سے نئی معنویت ابھرتی ہے اور تہ داری کا احساس ہوتا ہے ۔

جسے عطا کیا ہے بھوک ، ٹھوکریں ، گداگری

نہ جانے کیوں مہارت فنون دے دیا اسے

....

عشق نا زک سا وہ جذ بہ ہے جو اندر اندر
کبھی چبھتا بھی رہتا ہے اور کبھی مخمل ہو جائے

....

کہاں وہ آرزو لکھتے طویل خط اس کو
یہاں تو فون بھی ہم سے کیا نہیں جا تا

....

لئے ہم فا ختہ پہونچے کہ طئے تھا امن ہونا ہے
مگر پنی کلائی پر و ہ ظالم بازلا یا تھا

....

شہر کر فیو میں ہے ویران سڑک چپ ہیں شجر
بالکنی سے میری چڑیوں کی چہک جا تی نہیں

سہیل اختر کی غزلوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ دن میں علامتوں کا استعمال نہیں ہوا ہے،مبہم اور گنجلک انداز بیان سے پر ہیز ملتا ہے، اس کے با وجود سید ھے سبھاؤ سے زندگی کے اندر جھانکنے کا استعارہ سامنے آتا ہے،جس سے فطری اظہار کا نقشہ مرتب ہوتا ہے ۔

شہر ہے بارود کے ا یک ڈھیر پر بیٹھا ہوا
شعلوں کے احتجاج امن سے سہا ہوا

....

پار ہیں ہم سزا کس جرم کی اب کیا کہیں
ہیں یہاں انصاف کے معیار دہرے شہر میں

....

فساد میں جسے میں نے پناہ دی گھر میں
وہ شخص دل میں میرے بس گیا ہے ڈری طرح

....

جانتی ہے ہر ایک انجام بھٹکنے کا مگر
زندگی پھر بھی غلط راہوں پہ چلتی کیوں ہے

....

مجھ کو اکسا بے لوث محبت چاہتی ہے
کم ظرفوں کے شہر حسد میں رہتا ہوں

رومانی عناصر کے اسلوب میں بھی سہیل اختر کے یہاں تخلیقیت ہے، زبانکے تخلیقی حسن سے جمالیاتی کیفیت کے کوندے لپکانے کا ہنرانہیں آتا ہے۔

شوق آنکھوں کی انہی بھول بھلیوں میں ہے گم
شاید اب دل کی طرف کوئی سڑک جاتی نہیں

......

ترے آئینہ غم میں ہے جو چہرہ میرا
اک عجب درد کا رشتہ لگے تیرا میرا

....

یہ کپکپا ہٹ بھی سسکیوں کی تمہاری اب تو
گراں ہوئی ہے تنی ہوئی میری خامشی پر

....

وہ مثل آتش و مہ مہر و ستارہ ہی سہی
جومجھ میں پیکر انور ہے وہ ہے اورکوئی

....

یوں ہی ٹہلا کرے وہ چاندہماری چھت پر
وہ بے چین تو اپنی رات درخشندہ ہے

آرزوؤں کی پرچھائیوں کو تازہ احساس عطا کرتے وقت سہیل اختر نشتریت سے بھی کام لیتے ہیں۔انہوں نے چاروں جانب پھیلے ہوئے خود پروارانہ ذہنیت اور مادی مکروہات کو شدت سے محسوس کیا ہے۔

مرانصیب کہ ایسی زباں کا شاعرہوں
کہ جس کا پڑھتانہیں کوئی اک رسالہ بھی

....

یہ غم نہیں ہے کہ ہمیں چاہتیں نہیں ملتیں
خلوص والی بھی اب نفرتیں نہیں ملتیں

....

ادھر اسلام بھی تکبر والا
اُدھرترشو ل مذہب بولتا ہے

.....

مر رہی ہے زباں ہی جب یارو!
کیسے رہ پائے گا ادب زندہ

.....

اشتہاری میں فقط نازو ادائیں ہی نہیں
اب ہر اک شوق و تمنا بھی تو بازاری ہے

مواد کی شخصی آنچ کو نئے معانی دیتے وقت سہیل اختر عالمی پس منظر کو بھی سامنے رکھتے ہیں اور اپنے کرب کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

یزیدی ظلم بھی مظلومیٔ ابن علی اب بھی
فقط اس کربلا کا نام اب بغداد رکھا ہے

تاریخی شعور سے عصری شعور اور عصری شعور سے انفرادی سطح تک بار گراں اٹھاتے وقت اساطیر کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں

کہف کے غار سے اب نکلے کون
ہے خبار درد ستم ہے اب تک

سہیل اختر کے یہاں تخلیقی جست نیا زاویۂ نظر عطا کرتی ہے جس میں عصری حسیت ہے ۔فکری بالیدگی ہے اور اسلوب کی شفافیت ہے۔

سہیل اختر......

جن کی منزلِ مقصود ہمیشہ نقوشِ پا سے آگے رہی !

ڈاکٹر سید وصی اللہ بختیاری عمری

ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ آرٹس کالج (خودمختار)' کڈپہ، آندھرا پردیش

انجینئر سہیل اختر سے میری شناسائی اور واقفیت' برادرم ڈاکٹر ظہیر دانش عمری کی مرہونِ منت ہے۔انہوں نے مجھے تقریباً ایک دہائی قبل' سہیل اختر کی شاعری سے متعارف کرایا تھا۔یہ کوئی دوسرے ہزارہ کی پہلی دہائی کے اواخر کی بات تھی' شاید 2009 یا 2010 میں برادرم ظہیر دانش عمری نے مجھے سہیل اختر کا مجموعہ کلام' کاغذ پہ صحرا' کا ایک نسخہ بطور خاص مجھے ارسال کیا تھا اور یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ میں اس پر اپنے تاثرات کا اظہار کروں تا کہ وہ اپنے زیرِ ترتیب مضامین کے مجموعے میں میری تحریر کو شامل کرسکیں۔آنموصوف' جب کسی موضوع پر یا کسی خاص کتاب کو اہمیت کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور کسی کتاب کا اہمیت کے ساتھ تعارف کراتے ہیں تو میرے لیے نہ لیت ولعل کی گنجائش رہتی ہے اور نہ ہی انکار کا امکان رہتا ہے' کیوں کہ ان کا ادبی ذوق نہایت بالیدہ ہے اور ان کی پسندیدگی میرے لیے اہمیت کی حامل ہے' ان کی تجویز معتبر بھی ہے اور معتبر بھی ایسی کہ جس پر مجھے بہت اعتبار ہے۔ان کی سفارش کے باوجود اس کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے' ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ ایسا کرنا ان کے ادبی ذوق کو تسلیم کرنے کی نقیض ہے۔

برادرم ڈاکٹر ظہیر دانش عمری نے مجھ بے بضاعت سے یہ فرمائش بھی کی کہ میں اس پر لکھوں۔ میں کہ اپنے جہل سے واقف ہوں اور میری علمی ناداری مجھ پر آئینہ ہے۔ میں ٹھہرا سست' کاہل اور لاپرواہ آدمی۔ مجھ سے کسی فرمائشی مضمون کا لکھوالینا یہ صرف ظہیر دانش عمری اور میرے چند مخصوص احباب ہی سے ممکن ہے۔ تعمیلِ ارشاد اور امتثالِ امر میں یہ چند سطور' صفحۂ قرطاس پر پیش کر رہا ہوں۔

میں نے مجموعۂ کلام' کاغذ پہ صحرا' کو پڑھا' نہ صرف پڑھا بلکہ بغور پڑھا۔ مجھے سہیل اختر کی شاعری میں بہت سی ایسی خصوصیات بھی نظر آئیں جو انہیں اپنے دیگر ہمعصر شعرا سے ممتاز کرتی ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ سہیل اختر کی حیات میں خراجِ تحسین کے طور پر پیش کی جانے والی یہ ادبی سوغات جو ان کے فکروفن اور ان کی شاعری کے جائزے اور تجزیے پر مشتمل ہے' اب ان کے انتقال کے بعد' بطورِ خراجِ عقیدت پیش کی جارہی ہے کہ'' نامِ نیک رفتگان ضائع مکن۔ تا بماند نامِ نیکت برقرار'۔

سہیل اختر نے اپنی شاعری کے بارے میں بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ ان کے شاعری 21 ویں صدی کی شاعری ہے۔ انہوں نے زندگی کا جامِ شیرین ہی نوشِ جاں نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے زندگی کے تلخابہ کو اپنے حلق میں اتارا بھی ہے۔ ان کی زندگی میں حقیقی زندگی کے مسائل ملتے ہیں۔

سہیل اختر کی شاعری مجھے ایک مدت تک بہت عزیز رہی ہے۔ میں اکثر و بیشتر ان کا کلام دیکھتا رہتا تھا۔ خاص طور پر ان کا یہ شعر کہ:

نقوشِ پا سے بھی آگے ہے منزلِ مقصود! — جانا ہے مجھے وہاں' جہاں راستہ نہیں جاتا!!

بلاشبہ یہ ان کا ایک 'سگنیچر شعر' ہے جس پر ان کے دستخط موجود ہیں۔

سہیل اختر کی شاعری میں ندرتِ اظہار' بیان میں انفرادیت' لب و لہجے میں تحیر' حالات کی عکاسی' منظرنامہ نگاری' اور اپنے جذباتِ دروں کے اظہار میں اپنے انفرادی رنگ و آہنگ کا التزام' اہتمام اور انتظام ملتا ہے۔

سہیل اختر نے اپنی کتاب کے مقدمے میں یہ بھی لکھا تھا کہ ان کی غزلیں اور نظمیں بھی موجود ہیں لیکن وہ صرف اپنی غزلوں کا مجموعہ شائع کر رہے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ نظم اور اس کا مزاج و منہاج الگ ہے' اور غزلوں کے مجموعے میں نظموں کی شمولیت کے وہ قائل نہیں۔

انجینیر سہیل اختر کی ولادت اتر پردیش کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا سروکار' ان کی بودوباش کبھی دیہات میں اور گاؤں میں نہیں رہی بلکہ وہ ہمیشہ شہری زندگی میں رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اسکولی تعلیم اور پھر انجینئرنگ کی تعلیم بھی انڈین انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی' IIT کانپور سے حاصل کی۔ بعد ازاں ان کو زندگی کے مسائل اور مراحل میں ملازمت کے سلسلے میں اڑیشہ کے شہر بھونیشور منتقل ہونا پڑا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا۔ پھر برادرم ظہیر دانش عمری صاحب ہی سے معلوم ہوا کہ سہیل اختر راہی ملک عدم ہو چکے ہیں۔ ان کے انتقال کی خبر سے دلی افسوس ہو۔ وہ شاعر جس کے شعری مجموعے پر ہمیں لکھنا تھا' جو ہمارا پسندیدہ شاعر تھا' جس کا کلام ایک طویل عرصے تک ہمارے ہاتھوں میں اور ہمارے مطالعہ میں رہا' جس کے کلام پر تنقیدی' استحسانی اور تحسینی مضامین کا یہ مجموعہ شائع ہونا تھا' ہر قم کی داد و تحسین' تعریف و توصیف اور نالش وستائش سے مستغنی ہو کر اپنے رب کے حضور پہنچ چکا تھا۔ میں' بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ ربِ کریم ان کی مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

سہیل اختر کا مجموعہ کلام کاغذ پر صحرا 140 غزلوں پر مشتمل ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ان کی شاعری کا اغاز 1990 اور 91 میں ہوا حالانکہ اس سے قبل بھی وہ شعر کہتے رہے ہیں لیکن انہوں نے شاعری پر کبھی پوری سنجیدگی سے توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ ایک ایسا فترہ اور درمیانی وقفہ آیا جس میں' 1995 سے 2001 تک وہ بالکل شعر و شاعری سے دور ہو کر رہ گئے تھے۔ اور تقریباً چھ سال بعد شاعری نے 'انہیں بقول ان کی ایک 'ضدی محبوبہ' کی طرح دوبارہ اپنی طرف مائل کرلیا۔ اس مجموعے میں' جس کا نام'

کاغذ پہ صحرا' ہے ان کی 2001 کے بعد کی غزلیں ہی شامل کی گئی ہیں۔

سہیل اختر نے برملا طور پر یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے دنیا اور زمانے کو جس طرح دیکھا اور محسوس کیا' بلاکم و کاست اپنے کلام میں اسی طرح پیش کر دیا ہے یہ بات درست ہے اور وہ خود بھی اسے تسلیم بھی کرتے ہیں کہ ان کی غزلوں میں درد و غم کی بہتات ہے۔ زندگی اور رشتوں کی پیچیدگیاں ان کے کلام میں موجود ہیں۔ انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے ایک پیچیدہ جیون جیا ہے' لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں مایوسی' غم' یاسیت اور دنیا بیزاری نہیں ملتی۔ وہ میر کی طرح 'ناکامیوں سے کام' لینے کے عادی تھے۔

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ سائنس کے اور انجینیر نگ کے طالب علم رہے ہیں۔ ان کا سروکار ادبیات سے زیادہ نہ ہونے کے باوجود ان کے اندر موجود فطری طبعی شاعر ہمیشہ انہیں شعر گوئی پر آمادہ مہمیز کرتا تھا۔ انہوں نے آئی آئی ٹی کانپور میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ ایک قلیل مدت بمبئی میں ملازمت کی اور پھر اڈیشہ کی راجدھانی بھونیشور کا رخ کیا۔ وہ اپنے آپ کو دیہی پس منظر کے باوجود ایک شہری فرد تصور کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا بھی ہے کہ میں ہمیشہ شہروں میں رہا اور اسی لیے میری شاعری کا پس منظر شہری (اَربن) نظر آتا ہے۔ یہاں ان کے اندر موجود تخلیق کار' اس بات کی وضاحت بھی کر دیتا ہے کہ شہروں کی جو سوسائٹی ہے، بے رحم (اَربن آئیزڈ اور گوبلائزڈ سوسائٹی)' اور اس سوسائٹی میں قدریں شکست و ریخت کا شکار ہو کر منہدم بھی ہو چکی ہیں۔ رشتوں کی پاکیزگی ختم ہو چکی ہے۔ اس سماج کے افراد' ایک انتہائی غیر فطری اور مصنوعی ماحول میں جینے پر مجبور ہیں۔ سہیل اختر کا خیال ہے کہ ان کی غزلوں میں ایسے ہی ایک بے رحم' بے حس اور اقدار سے خالی' اخلاق سے عاری' ماحول کے شب و روز کی عکاسی نظر آئے گی۔

میں یہاں سہیل اختر کے چند اشعار پر اس مختصر تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

مجھ کو اک بے لوث محبت چاہتی ہے
کم ظرفوں کے شہرِ حسد میں رہتا ہوں

یہ غم نہیں کہ ہمیں چاہتیں نہیں ملتیں
خلوص والی بھی اب نفرتیں نہیں ملتیں

بڑا عجیب تھا اپنا بھی کاروبارِ شوق
ہر ایک نفع تھا اس کا، مرا خسارہ تھا

ہم اپنا راستہ خود ڈھونڈلیں گے
ہمیں آتا نہیں ہے رَو میں بہنا

آپ کا حسنِ عمل خوب مگر
کر کے احساں نہ جتایا ہوتا

شام ہوتے ہی چراغوں سا جلا کرتا ہوں
چاند نکلے تو بہل جائے طبیعت میری

Dr. Syed Vasiullah Bakhtiary
Associate Professor & Head, Dept. of Urdu
Government College for Men (Autonomous)
Kadapa, Andhra Pradesh
Email: vasibakhtiary@gcmkadapa.ac.in
Mobile: 9441905026 / 8712135940

زرخیز ذہن کا مالک سہیل اختر

ڈاکٹر ای ایم ڈی انور حسین، اردو لکچرر، پی وی کے این گورنمنٹ کالج، چتور

سہیل اختر کے بارے میں عبدالاحد ساز یوں فرماتے ہیں کہ:

"سہیل اختر فی زمانہ ان شعراء کے زمرے میں، جو اپنے پیرائیہ اظہار اور اندازِ ترسیل کے تشکیلی مدارج سے گذر رہے ہیں، خاصے اہم ہیں۔ شاعری تو انہوں نے اپنے اسکول کی طالب علمی کے زمانے ہی میں شروع کر دی تھی لیکن تب سے اب تک تخلیقی سفر میں ان کے یہاں چند برسوں پر محیط وقفے اور ناغے وارد ہوتے رہے ہیں۔ اس سے ان کی شاعری پر دو متضاد اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشقِ سخن کے تواتر سے کلام میں جو صفائی اور چستی اور دیگر فنّی لوازسات کے برتاؤ پر جو قدرت پیدا ہو سکتی تھی وہ خاطر خواہ نہ ہو سکی۔ مگر دوسرا افادی اثر یہ کہ وہ عجلتِ اظہار اور تسلسلِ شعر گوئی کی بنا پر محض مشقِ سخن کا جوہر دکھا کر رہ جانے والی شاعری سے بھی بچ گئے۔ ان بے اظہار اور لا کلام خاموش وقفوں نے انہیں بتدریج ادراک و تفہیم کے مواقع فراہم کئے اور خیالات و محسوسات مشاہدات و تجربات کے پروان چڑھنے کی مہلتیں مہیا کیں۔"

سہیل اختر ایسے شاعر کا نام ہے جو غزل کے ساتھ ساتھ نظم و ترجمہ نگاری میں بھی خوب مہارت رکھتے ہیں، ان کی غزلوں میں موضوعات اگرچہ عصر حاضر سے تعلق رکھنے والے زیادہ

ہیں،انھوں نے غزلوں میں موجودہ مسائل، پریشانیوں کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ ان کی تخلقی اپج کا اس سے اندازہ ہوتا ہے۔

سہیل اختر رسائل کی دنیا سے بہت دور رہتے ہیں۔ان کو چاہئے کہ رسالوں میں چھپنے کی طرف زیادہ توجہ دیں۔

سہیل نے کاغذ پہ صحراء پیش کر کے اہل ادب کو اچھنبے میں ڈال دیا ہے۔اور خوش گوار حیرت سے اردو ادب کے ناقدین کو دوچار کیا ہے۔

سہیل اختر کا ذہن اختراعی ذہن ہے خدا نے ان کو بھرپور اختراعی صلاحیتوں سے نوازا ہے ،جن سے کام لے کر وہ ایسی شاعری کرتے ہیں کہ حیرت اور استعجاب ہم لوگوں کو گھیر لیتا ہے،ان کی غزل کا مجموعہ کاغذ پہ صحرا کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ ان کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کا انبار ہے۔

نفرت کا ماحول جو ہمارے دور کی خصوصیت بن چکا ہے اسے دیکھ کر ان کے دل سے آہ نکلتی ہے،ان کا دل کڑوا ہو جاتا ہے وہ حساس فن کار ہیں وہ جانتے ہیں کہ نفرت کام آنے والی چیز نہیں ہے بلکہ محبت بہت اہم چیز ہے،نفرت کے ماحول نے شہر کے ساتھ ساتھ گاؤں کو خراب کیا ہے اسی کی جانب یوں اشارہ کرتے ہیں کہ ؎

یہاں بھی آ گئی ہیں شہر کی کدورتیں تمام
کہ اب رہا نہیں ہے لائق قیام گاؤں تک

گمنامی اور غائب دماغی آج کے دور کا المیہ ہے،اس دور میں لوگوں کا ذہن ایک جگہ نہیں ہے ،بلکہ الگ الگ مقامات پر بھٹکتا رہتا ہے اس کے بارے میں سہیل اختر کہتے ہیں کہ ؎

میں اکثر اپنے پتے پر اسے نہیں ملتا
اکیلے رہنے کا جو گھر ہے وہ ہے اور کوئی

ملی جب آنکھ تو لطف نظارہ جاتا رہا
اب اس نظر میں جو منظر ہے وہ ہے اورکوئی
مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے
ڈوب جاتا ہے تری آنکھ میں جب چاند مرا
مرے اندرکہیں سائے سا سرکتا ہے کوئی
جائزہ لینے میں نکلا ہی تھا باہر بچ کر
دھیرے سے تیز ہوا نے کہا 'اختر بچ کر'
رات آجاتی ہے جب سبز پری مت پوچھو
میں کہاں ہوتا ہوں احساس کہاں ہوتا ہے
سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں رکھتے ہیں جیبوں میں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے

DR.E.MD.ANWAR HUSSAIN
LECTURER OF URDU PVKN. GOVT COLLEGE (A),
CHITTOOR, AP-517002
CELL: 9440217501

سہیل اختر کی شاعری کا تاریخی پہلو

ہاجرہ خانم سروانی

سہیل اختر نئی شاعری کا ایک معتبر نام ہے، انہوں نے کاغذ پہ صحرا کے نام سے اپنی غزلوں کا مجموعہ شائع کیا ہے، اس میں محبت، عشق، عصر حاضر کے تقاضے، مسلمانوں کے حالات الغرض تمام مسائل کو انہوں نے غزلانے کی کوشش کی ہے، اس کے بعد انہوں نے نظموں کا مجموعہ منجمد افلاک کے سائے تلے کے عنوان سے تحریر کیا ہے اس میں نہایت جدید انداز کی نظمیں ہیں، جن تازگی اور پر کاری ہے، نئے جہان کی سیر اور پرانوں جہانوں کے فقدان کا المیہ ہے۔

سہیل اختر کے بارے میں عبدالاحد ساز یوں فرماتے ہیں کہ:

”سہیل اختر فی زمانہ ان شعراء کے زمرے میں، جو اپنے پیرائیہ اظہار اور اندازِ ترسیل کے تشکیلی مدارج سے گذر رہے ہیں، خاصے اہم ہیں۔ شاعری تو انہوں نے اپنے اسکول کی طالب علمی کے زمانے ہی میں شروع کر دی تھی لیکن تب سے اب تک تخلیقی سفر میں ان کے یہاں چند برسوں پر محیط وقفے اور ناغے وارد ہوتے رہے ہیں۔ اس سے ان کی شاعری پر دو متضاد اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشقِ سخن کے تواتر سے کلام میں جو صفائی اور چستی اور دیگر فنّی لوازسات کے برتاؤ پر جو قدرت پیدا ہو سکتی تھی وہ خاطر خواہ نہ ہو سکی۔ مگر دوسرا افادی اثر یہ کہ وہ عجلتِ اظہار اور تسلسلِ شعر گوئی کی بنا پر محض مشقِ سخن

کا جوہر دکھا کر رہ جانے والی شاعری سے بھی بچ گئے۔ان بے اظہار اور لا کلام خاموش وقفوں نے انہیں بتدریج ادراک و تفہیم کے مواقع فراہم کئے اور خیالات و محسوسات مشاہدات و تجربات کے پروان چڑھنے کی مہلتیں مہیا کیں ۔"

سہیل اختر کے یہ شعر بہت متوجہ کرتے ہیں ۔

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے

خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے

ڈوب جاتا ہے تری آنکھ میں جب چاند مرا

مرے اندر کہیں سائے سا سرکتا ہے کوئی

جائزہ لینے میں نکلا ہی تھا باہر بچ کر

دھیرے سے تیز ہوا نے کہا 'اختر بچ کر'

ان کی شاعری میں سیاسی اور تاریخی پہلو بھی ہمیں ملتے ہیں،انہوں نے یزید،حضرت حسین کے بارے میں بڑا ہی معنی خیز شعر کہا ہے کہ ۔

یزیدی ظلم بھی مظلومیٔ ابن علی اب بھی

فقط اس کربلا کا نام اب بغداد رکھا ہے

آپ جانتے ہیں کہ کربلا کا واقعہ تاریخ اسلام کا بڑا ہی کرب ناک اور المناک واقعہ ہے جس میں حضرت حسین مظلوم بنے انہوں نے اپنی قیمتی جان کا نذرانہ پیش کیا اور امت کو اختلاف سے بچایا،حضرت حسین کی بنیاد پر ایک نیا مذہب شیعیت وجود میں آ گیا جس میں ماتم کرنا،رونا،گال پیٹنا،سینہ پٹنا ایک مذہب بن گیا،باقاعدہ طور پر سال کے چند دن یہ ماتم کرنے میں گزارتے ہیں،حضرت حسین اور

کربلا کے واقعے کے بارے میں علماء کہتے ہی کہ ان کے متعلق بحث میں حصہ نہیں لینا چاہئے کیونکہ جو ہونا تھا ہوگیا، حق کس کے ساتھ تھا اس کے بارے میں اللہ تعالی خوب جانتے ہیں ہمیں چاہئے کہ اپنی زبانوں کی حفاظت کریں خاص کر اس واقعے کے حوالے سے، سہیل اختر نے یہ شعر جس وقت کہا تھا اس وقت بغداد پر امریکی بمباری جاری تھی، روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں مسلمان اس میں قتل ہو رہے تھے اور جام شہادت نوش کر رہے تھے، سہیل اختر نے اس بغداد کی بمباری کی جانب بھی اشارہ کیا ہے۔

اسی طرح سہیل اختر ایک تاریخی کردار جن کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے وہ ہیں اصحاب کہف، ایک بادشاہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر توحید پرست راتوں رات شہر چھوڑ کر چلے گئے اس کے بعد وہ لوگ ایک غار میں رات گزارنے کے لئے سو گئے، ہوا ایسا کہ اللہ نے انہیں کئی سالوں کے لئے سلا دیا، جب وہ دوبارہ بیدار ہوئے تو وہ ظالم بادشاہ نہ تھا، بلکہ بادشاہ کا انتقال ہو چکا تھا اس کی جگہ ایک عادل بادشاہ نے لے لی تھی اب ان کو ڈرنے کا چنداں ضرورت نہ تھی، اسی واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ ملتا ہے

کہف کے غار سے اب نکلے کون
ہے خبر دورِ ستم ہے اب تک

کولمبس جس نے امریکہ دریافت کیا تھا، اصل میں ہندوستان کی طرف آنے کا ایک مختصر راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے ہندوستان تک ہونچنے کا آسان اور مختصر راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اس کی جانب اس شعر سے اشارہ کیا ہے ؎ منتظر کولمبس کا بے نشان جزیرہ ہوں

Hajeera Khanam Sarvani
Lecturer In History(UM)
Govt Degree College for Women, Madanapalli

سہیل اختر کی شاعری کا ایک اور تاریخی پہلو

ایس تحسین بیگم

سہیل اختر اپنی شاعری میں خاص کر غزل میں مختلف پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں،ان کی غزلیں عصر حاضر کے مسائل سے مملو ہیں،ایک طرف انسانیت سوز مظالم کے خلاف ان کی شاعری میں تذکرہ ملتا ہے تو امت مسلمہ پر روا رکھے جانے والے مظالم کا تذکرہ بھی ملتا ہے،ان کی شاعری انسانیت سے بھرپور شاعری ہے جس میں انسانوں سے محبت اور چاہت کو سکھایا جاتا ہے۔

سہیل اختر کے بارے میں عبدالاحد ساز یوں فرماتے ہیں کہ:

"سہیل اختر فی زمانہ ان شعراء کے زمرے میں، جو اپنے پیرائیہ اظہار اور اندازِ ترسیل کے تشکیلی مدارج سے گذر رہے ہیں، خاصے اہم ہیں۔شاعری تو انھوں نے اپنے اسکول کی طالب علمی کے زمانے ہی میں شروع کردی تھی لیکن تب سے اب تک تخلیقی سفر میں ان کے یہاں چند برسوں پر محیط وقفے اور ناغے وارد ہوتے رہے ہیں۔اس سے ان کی شاعری پر دو متضاد اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ایک تو یہ کہ مشقِ سخن کے تواتر سے کلام میں جو صفائی اور چستی اور دیگر فنّی لوازسات کے برتاؤ پر جو قدرت پیدا ہوسکتی تھی وہ خاطر خواہ نہ ہوسکی۔مگر دوسرا افادی اثر یہ کہ وہ عجلتِ اظہار اور تسلسلِ شعرگوئی کی بنا پر محض مشقِ سخن کا جو ہر دکھا کر رہ جانے والی شاعری سے بھی بچ گئے۔ان بے اظہار اور لا کلام

خاموش وقفوں نے انہیں بتدریج ادراک وتفہیم کے مواقع فراہم کیئے اور خیالات ومحسوسات مشاہدات وتجربات کے پروان چڑھنے کی مہلتیں مہیا کیں ہے''

سہیل اختر کے ان کا اشعار میں امید وبیم کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے ہے

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے
ڈوب جاتا ہے تری آنکھ میں جب چاند مرا
مرے اندر کہیں سائے ساسرکتا ہے کوئی
جائزہ لینے میں نکلا ہی تھا باہر بچ کر
دھیرے سے تیز ہوا نے کہا 'اختر بچ کر'

ان کی شاعری میں سیاسی اور تاریخی پہلو بھی ہمیں ملتے ہیں، انہوں نے یزید، حضرت حسین کے بارے میں بڑا ہی معنی خیز شعر کہا ہے کہ ہے

یزیدی ظلم بھی مظلومیٔ ابن علی اب بھی
فقط اس کربلا کا نام اب بغداد رکھا ہے

حضرت حسین تاریخ انسانی کا ایسا کردار ہیں جو قیامت آنے والے لوگوں کے لئے انسانیت کا پیغام دیتے ہیں، وہ اس بات کا بھی پیغام دیتے ہیں کہ ظلم کے سامنے جھکنا ضروری نہیں ہے، بلکہ انہیں ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے کا پیغام دیتے ہیں، انسانوں کو اس بات کا بھی درس دیتے ہیں کہ وہ ظالم کے خلاف آواز اٹھائیں خواہ اس کے لئے ان کی جان بھی دینی پڑے، اس کربلا کی جانب سہیل اختر نے بہت خوب صورت انداز میں اشارہ کیا ہے۔

اصحاف کہف کے واقعے کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے، جنہوں نے ظالم بادشاہ سے بچنے کے لئے توحید پر باقی رہنے کے لئے راتوں رات فرار ہو گئے تھے اور ایک غار میں چھپ گئے تھے یہ ایک حقیقی اور تاریخی واقعہ ہے جس کی طرف سہیل اختر بڑے پیارے انداز میں خطاب کرتے ہیں۔

اسی واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ ملتا ہے

کہف کے غار سے اب نکلے کون
ہے خبر دورِ ستم ہے اب تک

الغرض ان کی شاعری میں تاریخی پہلوؤں کا بیان بھی بڑے پیارے انداز میں ملتا ہے اور سہیل اختر کو منفرد شاعر کے طور پر ہمارے سامنے لاتا ہے۔

ان کی شاعری پڑھتے ہوئے ہمیں تعجب کا احساس ہوتا ہے کہ ایک شاعر کے یہاں آخر کتنے پہلو نظر آتے ہیں ان کے پاس سیاسی پہلو بھی ہے، سماجی پہلو بھی ہے، تاریخی پہلو بھی ہے اور ادبی پہلو بھی ، انہوں نے اپنے تجربات اور احساسات کو خوب صورت پیرائے میں غزل کی شکل میں پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے، تاریخی پہلو کے حوالے سے انہوں نے نہایت کامیاب انداز میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے ہیں۔

میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین!

S THAHASEEN BEGUM
LECTURER IN HISTORY(UM), SVCR GOVERNMENT DEGREE COLLEGE
PALAMANER, CHITTOOR DIST, A.P

سہیل اختر کی شاعری کا سیاسی پہلو

این ایس راشدہ آفرین

سہیل اختر اردو شاعری کا ایسا نام ہے جسے کسی بھی لحاظ سے انداز انداز نہیں کیا جاسکتا ہے
،سہیل اختر کا تعلق اگر چہ اڑیسہ سے ہے انہوں نے انجینر کے طور پر کامیاب زندگی گزاری اور انہوں نے غزل اور نظم میں کامیاب انداز میں طبع آزمائی ہے۔

ان کی غزلوں سے ہر طرح کی باتیں اور موضوعات ملتے ہیں، ان کی غزل میں انسانیت کے لئے پیغام ملتا ہے، انسانوں کو زندگی گزارنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، سہیل کی نظموں میں بھی بہترین انداز کے موضوعات پر اظہار خیال ملتا ہے۔

سہیل اختر کے بارے میں عبدالاحد ساز یوں فرماتے ہیں کہ:

''سہیل اختر فی زمانہ ان شعراء کے زمرے میں، جو اپنے پیرائیہ اظہار اور اندازِ ترسیل کے تشکیلی مدارج سے گذر رہے ہیں، خاصے اہم ہیں۔ شاعری تو انہوں نے اپنے اسکول کی طالب علمی کے زمانے ہی میں شروع کردی تھی لیکن تب سے اب تک تخلیقی سفر میں ان کے یہاں چند برسوں پر محیط وقفے اور ناغے وارد ہوتے رہے ہیں۔ اس سے ان کی شاعری پر دو متضاد اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مشقِ سخن کے تواتر سے کلام میں جو صفائی اور چستی اور دیگر فنّی لوازسات کے برتاؤ پر جو قدرت پیدا ہو سکتی تھی وہ خاطر خواہ نہ ہو سکی

۔مگر دوسرا افادی اثر یہ کہ وہ عجلتِ اظہار اور تسلسلِ شعر گوئی کی بنا پر محض مشقِ سخن کا جوہر دکھا کر رہ جانے والی شاعری سے بھی بچ گئے۔ان بے اظہار اور لا کلام خاموش وقفوں نے انہیں بتدریج ادراک و تفہیم کے مواقع فراہم کئے اور خیالات و محسوسات مشاہدات و تجربات کے پروان چڑھنے کی مہلتیں مہیا کیں ۔"

سہیل اختر کے ان کا اشعار میں امید و بیم کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے ۔

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے
ڈوب جاتا ہے تری آنکھ میں جب چاند مرا
مرے اندر کہیں سائے سا سرکتا ہے کوئی
جائزہ لینے میں نکلا ہی تھا باہر بچ کر
دھیرے سے تیز ہوا نے کہا 'اختر بچ کر'

سہیل اختر کی نظموں میں فلسطین کے حوالے سے بہترین نظم ملتی ہے،آپ جانتے ہیں کہ غاصب یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا اور وہاں کے لوگوں کو در بدر کر دیا،ان کے گھروں کو توڑا اور ان کے بچوں کو یتیم اور ان کی بیویوں کو بیوہ کیا،سہیل کے دل میں انسانیت کے لئے درد ہے اسی لئے انہوں نے فلسطین کے بارے میں نظمیں تحریر کی ہیں،فلسطین پر سہیل اختر کی نظمیں یوں ہیں ملاحظہ کریں ۔

(۱)

زیتون اور فاختہ

کہاں زیتون کے وہ باغ پتے

کہاں وہ اجلی اجلی فاختائیں

کہاں سرابیوں کے اب وہ چشمے

نہ جانے کیوں ہوئیں نازل بلائیں

زمیں اپنی کہ جو جنت نشاں تھی

تمام عالم میں رشک دو جہاں تھی

اسے ٹینکوں نے تیرے روند ڈالا

کہ کشت زعفراں تھی لہلہاتی جس جگہ پر

لہو تم نے بہایا ہے ہمارا اس جگہ پر

ہمارا کیا ہم خیموں میں اپنے

یوں ہی مرتے رہیں گے جیتے جی اور

یوں ہی مر مر کے بھی جیتے رہیں گے

مگر یہ تو بتاؤ فاختائیں

کہاں اپنے نشیمن اب بنائیں؟

فلسطین کے بارے میں دوسری نظم ہے دیواریں، جس میں انہوں نے غزہ کے چاروں پر جو دیواریں غاصب یہودیوں نے بنادی ہیں ان کے خلاف اپنا احتجاج درج کرایا ہے، دیواریں کے عنوان سے جو نظم ہے وہ یوں ہے ؎

یہ کیسا ہے جنوں تم کو

جو دیواریں بناتے ہو؟

مرے اطراف دیواریں

مرے ہر گام دیواریں

مرے خیمے کے اور بازار کے بھی بیچ دیواریں

ہیں قبرستان اور طب خانے کے بھی بیچ دیواریں

مرے اسکول جاتے بچوں کی راہوں میں دیواریں

مرے شہر حسیں کو تم نے دیواروں کا اک جنگل بنا ڈالا

مگر یہ تو بتاؤ تم جو دیواریں بناتے ہو

انہیں کیوں کر بناتے ہو؟

تمھارا ظلم کیا دیواروں سے چھپ جائے گا آخر؟

بہر حال یہ دو نظمیں ان کے سیاسی منظر نامے کو واضح کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

N.S.RASHIDA AFRIN
LECTURER IN POLITICAL SCIENCE(UM)
SVCR GOVERNMENT DEGREE COLLEGE,
PALAMANER, CHITTOOR DIST, A.P

سہیل اختر کی غزل گیری

(طنز ومزاح)

مختار ٹونکی (راجستھان)

سوسوا سوسال پہلے دبستان دہلی کے آخری صاحب طرز شاعر نواب مرزا خاں داغ دہلوی یہ کہہ کر مر کھپ گئے کہ ع

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

مگرفی زمانا یہ ماننا پڑے گا کہ اردو شعراء کے جم غفیر اور مجمع کثیر نے اس زبان کے ڈانڈے قطب سے قطب شمالی تک پھیلا دئے ہیں اور اس کے جھنڈے سموچے کرۂ گیتی پر نصب کردئے ہیں۔ جی ہاں! اردو شعراء روئے زمین پر ٹڈی دل کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ جن میں کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے ہیں۔ دہلی سے دبئی اور ہندستان سے انگلستان کی بات چھوڑیئے۔ شمالی ہند سے بھی اپنا رخ موڑیئے۔ جنوب میں گھسو اور گنو تو آندھرا پردیش، کرناٹک اور تامل ناڈو کے سیکڑوں شعراء کی لمبی چوڑی فہرست ہے جو بصد کروفر بحر غزلیات میں اپنی طبع رسا کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں اور سبقت حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ تا کہ داغ کی زبان میں کہہ سکیں ع

یکتا ہوں میں ہزار میں اکیا سو ہزار میں

ارے صاحب! بھیڑ بھاڑ میں اپنے چہرے کو نمایاں کرنا ہی بڑا جوکھم کا کام ہے اور پھر جب مقابلہ بے شمار باشعور اور صاحب غرور شعراء میں ہو تو اپنی انفرادی شناخت ثبت کرنا کوئی ہنسی

ٹھٹا نہیں ہے اور پھر اردو شاعری میں غزل گوئی کا میدان تو اتنا وسیع و عریض رہا ہے کہ پچھلے چار سو سال سے شعراء یعنی صدہا غزل گو شعراء یہ کہتے کہتے ملک عدم سدھار گئے کہ ع

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

اب ہر ذرہ تو آفتاب ہو نہیں سکتا اور ہر ستارہ تو ماہتاب بن نہیں سکتا کیونکہ منفرد تخلیقی جگمگاہٹ خال خال ہی نصیب ہوتی ہے۔ شعراء تنوع کہاں سے لائیں۔ اپج کہاں سے پائیں کہ بت ہزار شیوۂ غزل کو الگ ڈھنگ سے رجھائیں اور یوں اپنے کو منفرد و ممتاز بنائیں۔ بقول شاعر

شاعران حال کیا مضمون نو باندھیں امیرؔ
ڈھونڈتے ہیں پر تخلص ہی نیا ملتا نہیں

واللہ! کیا ناگفتنی صورت حال ہے کہ اچھوتا تخلص ملنا محال ہے۔ اب سہیل اخترؔ کہاں جائیں نام و تخلص کہاں پائیں کہ اخترؔ شیرانی، اخترؔ انصاری، اخترؔ اورینوی، اخترؔ جوناگڑھی، اخترؔ بستوی، اخترؔ ضیائی ، احتشام اخترؔ، سلطان اخترؔ، جاوید اخترؔ وغیرہ پہلے ہی تخلص آرائے سلطنت سخن ہیں۔ مجبوری کا دوسرا نام مہاتما گاندھی ہے اس لئے انہوں نے نام و تخلص کو یکجائی عطا کر دی ہے۔ نہیں سمجھے؟ ارے آپ ''کاغذ پہ صحرا'' کو ملاحظہ فرمائیں تو مقطعوں میں یہ عقدہ کھلے گا کہ کہیں تو وہ سہیلؔ بن کر چمک رہے ہیں اور کہیں اخترؔ کی طرح دمک رہے ہیں:

بنجارہ ہوں سفر ہی مری زندگی سہیلؔ
رکھتا نہیں یقین بھی میں بودوباش میں

...

جب سہارا ملے کافی ہے سہیلؔ اک تنکا
غرق پھر کرنے کو طوفان بھی کم پڑتا ہے

...

مشینی عہد کا پرزہ ہوں اخترؔ پھر بھی رکھتا ہوں

وہ اک پرواز کی خواہش جو طیارے میں رہتی ہے

...

کام اپنا تبلیغ محبت ہے اخترؔ

لیکن نفرت کی سرحد میں رہتا ہوں

اب سہیلؔ ہو کہ اخترؔ ہو دونوں کا کام چمکنا ہے اور چہرۂ غزل پر غازہ بن کر دمکنا ہے مگر طرفہ سخن ظریفی بھی دیدنی ہے کہ کہیں دونوں تخلص شیر وشکر ہو گئے ہیں۔اڑیسہ کی راجدھانی بھوبنیشور میں براجمان اس غزل گو شاعر نے افواہ اڑائی ہے کہ

مر گیا سہیلؔ اخترؔ

ہوگی اب ثنا خوانی

اب ہمیں مرثیہ خوانی تو بھاتی نہیں اور ثنا خوانی و توصیف ارزانی آتی نہیں مگر حقیقت کے اظہار میں عار کیا۔ جہاں تک دوشیزۂ غزل کا معاملہ ہے۔ان دنوں انفرادو ایجاد کی ایسی ہوا چلی ہے کہ شعراء غزل کی آبرو اتارنے پر تلے ہوئے ہیں' کچھ نیا کرنے کی دھن میں ہاتھ دھو کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ ایک شرارتی شعراء اسے ننگا بوچا کر کے ''آزاد غزل'' کا جامہ پہنا رہے ہیں تو دوسرے ''دوہا غزل'' کی انگیا چولی منڈھ رہے ہیں۔کوئی سخنور ''ماہیا غزل'' کا خلعت فاسدہ زیب تن کر رہا ہے تو کوئی ''رباعی غزل'' کے بے تکے کلی پھندنے ٹانک رہا ہے۔ مطلب یہ کہ نئی نسل کے شعراء غزل کی ہیئت بگاڑنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں حالانکہ بقول نامیؔ:

غزل کے فن کا تقاضا کچھ اور ہے نامیؔ

عروض پر ہے یہ مبنی نہ استعاروں پر

ایسی صورت حال کے وبال میں سہیل اخترؔ کی خالص غزل گوئی مغتنم ہی محترم بھی کہی جائے گی کیونکہ وہ سیدھی سادی غزل کہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ واقعی غزل کہتے ہیں بقول سہیل اخترؔ:

میں کہتا ہوں یوں ہی سیدھی سادی غزل

سیدھی لگے پر ہے، نہیں اتنی سیدھی غزل

گوش گزار کر لیجئے کہ ہم موصوف کے شعری اوصاف بیان کرنے جا رہے ہیں۔مگر یہ بھی دھیان رہے کہ ع

ہم سخن فہم ہیں اخترؔ کے طرفدار نہیں

واضح ہو کہ اردو ادیبوں اور ناقدوں میں یہ بیماری عام ہے کہ جب وہ کسی شاعر کو ہدف نقد و تبصرہ بناتے ہیں تو اس کو بانس پر چڑھانے کے لئے اس طرح عنوان سجاتے ہیں:

منفرد آواز کا شاعر،غزل کی تقدیس کا شاعر،معتدل تخلیقی رویہ کا شاعر،غزل کی توانا آواز،غزلوں کی کائنات کا معتبر شاعر،نئی غزل کا معتبر فنکار،اظہار ذات کا خوب صورت شاعر،پرکشش اسلوب کا شاعر،کلاسیکی نظم وضبط کا شاعر،خاموشیوں میں بولتا سخنور وغیرہم۔

مگر ہم ایسا کچھ نہیں کہیں گے کیونکہ انکی غزلوں کے اشعار خود اپنے خالق کے تخلیقی عمل اور جمالیاتی شعور و پیرایۂ اظہار کے عمل دخل کو بخوبی اجاگر کرتے ہیں۔سہیل اخترؔ غزل کے والہ و شیدا ہیں اور جب کوئی کسی کا والہ و شیدا اور مشتاق و فریفتہ ہو جاتا ہے تو اس کی ہر اک ادا اسے نت نئے انداز میں نظر آتی ہے اور نئے امکانات کے ذہنی دریچے کھول دیتی ہے۔چچا غالبؔ نے ہزار اداؤں والی صنف غزل میں اضافے کئے ہوں گے مگر آج کا یہ شاعر انگنائے غزل میں خوب اچھل کود کر رہا ہے اور اپنی فکری بالیدگی کے خوب جوہر دکھا رہا ہے۔تعجب ہوتا ہے کہ ایک شخص جو قدیمیہ ہے نہ

جدیدیہ۔ترقی پسندوں کے زمرے میں شامل ہے اور نہ ساختیت پرستوں کے حلقے میں داخل، پھر بھی اپنے اشعار کی تب وتاب سے، منفرد لب و لہجے سے، دلکش اسلوب آہنگ سے اور سہل انداز ترسیل سے ہر کس و ناکس کی توجہ اپنی طرف منعطف کر رہا ہے اور غزل کو نیا رنگ و پیراہن دے رہا ہے۔ ہمارے سامنے سخنور سہیل اختر کی سواسو غزلیں ہیں۔ یہ سمجھئے کہ ایک سوپچیس دیگیں ہیں اگر ایک دیگ میں سے ایک ایک چاول کا دانہ بھی چکھیں تو ذائقے کا ڈھیر لگ جائے گا۔ مشتے نمونہ از خروارے کا چکر چھوڑئے ۔ان حضرت کے کچھ مطلعے دیکھئے کہ مطلع کی ہائے بسم اللہ ہی بتادیتی ہے کہ شاعر کیسا ہے ایسا ویسا ہے کہ ڈبل پیسا ہے:

آیا تھا میں کچھ اور ہی شئے کی تلاش میں
الجھا دیا گیا مجھے فکر معاش میں

.....

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے

......

میں نے رنگوں کی حکومت سے بغاوت کی ہے
جرم تسلیم ہے خوشبو سے محبت کی ہے

.....

ٹین کے شڈ میں مرا خواب گراں رہتا ہے
زنگ آلود سا احساس زیاں رہتا ہے

....

یہی تو کہہ گیا وہ جل کے مرنے والا بھی
اب اعتبار کے قابل نہیں اجالا بھی

.....

برف کی سل کی طرح آنکھ پگھلتی کیوں ہے
مجمد جسم ہے، پھر آگ یہ جلتی کیوں ہے

....

اس طاق بھر یقین کا کچھ تو لحاظ رکھ
گھر میں خدا کے واسطے جائے نماز رکھ

......

وہ چشم تر بھی عجب آتشیں نظارہ تھا
کہ جیسے جھیل میں جلتا ہوا شکارا تھا

کوئی بھی صاحب نظر ان کے ہر مطلع کو 'مطلع انوار' قرار نہ دے لیکن یہ تو اُسے ہار جھک مار کر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان میں یک گونہ تازہ کاری ہے، معنویت کی تہہ داری ہے، منفرد بیانہ انداز کی شگوفہ کاری ہے اور سادہ سلیس زبان کی طرح داری ہے۔ کہیں بھی ژولیدگی کی گندگی نہیں، کہیں بھی پیچیدگی کی آلودگی نہیں اور ابہام و ایہام کے کیڑے مکوڑے بھی تو وہیں پیدا ہوتے ہیں جہاں غلاظت و نجاست ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے ایں حضرت میں غزل گوئی کا جو مادّہ ہے تو کلاسیکی شاعری کا خاصہ ہے۔ میرؔ کا سوز و گداز اور غالبؔ کا فکر و فلسفہ' نہ ہو تو کیا ہوا؟ مومنؔ جیسی نزاکت خیال اور داغؔ جیسی رندی و سرمستی نہ ملے تو کیا برا۔ میاں غزل کی لطافت تو کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور حلاوت غزل بھی یہاں وہاں بکھری پڑی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ چاہے وہ شکل و شباہت میں خود حسین نہ ہوں مگر ان کے اشعار کی

ترسیل بہت حسین ہوتی ہے۔ سجیلے الفاظ کے ساتھ لہجے کی کھنک چھنک چھنک پائل باجے کا لطف دیتی ہے مثلاً:

سنا ہے یار لوگ سوئیاں جیبوں میں رکھتے ہیں
انھیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے

....

شمع دیتی نہیں پروانوں کو دعوت نامہ
تیری محفل ہے تو ظاہر ہے کہ ہم ہوں گے ہی

...

بنا دیا ہے زمانے کیکٹس ہم کو
کوئی طلب نہ کرے لہجۂ گلاب یہاں

...

روشنی کے لئے میں جب بھی بڑھاتا ہوں قدم
ایک پرچھائیں تعاقب میں نکلتی کیوں ہے

...

اتارا سے بھی کہ ملنا ہے بے حجاب ہمیں
ہمارے بیچ بدن کا لباس باقی ہے

.....

چڑھا ہے رنگ مرا یوں اتر نہیں سکتا
نہاتے وقت بہت اس نے مل کے دیکھا ہے

....

طلب کے زینے پہ کائی جمی تھی ضد کی طرح
مگر ادھر بڑا اصرار تھا سنبھلنے کا

.....

آئینہ خانہ سے بھی گزرنا ہے حسب رسم
جوتوں میں چبھ رہی ہے ندامت کی کیل بھی

...

اپنی وہ خواہشات کی مرغابیاں کہاں
سوکھی پڑی ہوئی ہے ان آنکھوں کی جھیل بھی

...

قلم کا غذوہ دے تحفۃً اور پھر محبت سے
ہماری انگلیاں ایک ایک کرکے کاٹ ڈالے گا

اس قبیل کے اشعار میں تنوع ہے' ندرت کی جھلکیاں ہیں اور فکری اپچ کی کرشمہ کاری ہے۔ سہیل اختر کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جمالیات کے ساتھ عصری حسیات کو بھی اپنی غزلیات کے اشعار کی رمزیت اور اشاریت کی دبیز پرتوں میں لپیٹ دیتے ہیں۔ عصری تقاضے انہیں کچوکتے ہیں تو تاریخی شعور بھی انہیں دبوچتا ہے تو دونوں کا کما حقہ حق ادا کرتے ہیں۔ ان کے غزلیہ شعروں میں اپنے عصر کا تذکرہ تو ملے گا اور حالات و واقعات پر تبصرہ بھی ہوگا مگر لفاظی' کرتب بازی اور جدت طرازی کا بے تکا پن نہیں ملے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

جنون شہر دیکھ ہے یہ موقع' فائدہ اٹھا

سہیلؔ اینٹ پتھروں کی اب دکان کھول لے

....

صفایا کب کروگے ' دیر کیوں ہے ؟
ہمیں کب تک یہاں رہنا پڑے گا !

....

اگر کرے وہ حفاظت تو کیا کسی کی مجال
سہیلؔ کافی ہے مکڑی کا ایک جالا بھی

...

نہ کوشش اتنی یکجائی کی ہوتی
نہ شیرازہ بکھرتا روس جیسا

....

کہف کے غار سے اب نکلے کون
ہے خبر دورِ ستم ہے اب تک

...

یہاں بھی آگئی ہیں شہر کی کدورتیں تمام
کہ اب رہا نہیں ہے لائق قیام گاؤں تک

....

شہر کرفیو میں ہے ویران سڑک چپ ہیں شجر
بالکنی سے میری چڑیوں کی چہک جاتی نہیں

..

لئے ہم فاختہ پہونچے کہ طے تھا امن ہونا ہے

مگراپنی کلائی پروہ ظالم بازلایاتھا

...

لواز مات ہیں تمام زندگی کے شہرمیں

مگرہے پھربھی روزافزوں شرح خودکشی عجب

.....

ہراک ذہن پر،نظریہ چینلوں کا ہے اثر

اب اختلاف رائے کی زمین بھی سمٹ گئی

پھرطرفہ غزل گیری یہ کہ وہ دریا بہ حباب اندرکرنے کا ہنربھی جانتے ہیں۔مختصر بحروں اور گنے چنے لفظوں میں وہ قابل لحاظ اورلائق داداشعار کہہ جاتے ہیں۔اگرشاعر کے پاس پیرایۂ اظہارہو،جذبے کی صداقت ہوتو وہ گاگر میں بھی ساگربھرسکتا ہے۔ان کے مندرجۂ ذیل اشعاراس کسوٹی پرکھرے اترتے ہیں:

مجھے نادار کر

مگر خودار کر

..

نہ مجھ پربار ہو

نہ مجھ کو بارکر

..

تری لوتھی کہ کیا تھا؟
چراغوں سا جلا ہوں

..

منتظر کولمبس کا
بے نشان جزیرہ ہوں

..

جھوٹ کو قبا دینا
اورسچ کو عریانی

...

سچ کی تمثیل نہیں ہوسکتا
خواب تشکیل نہیں ہوسکتا

سہیل اختر شاعری کسی ایرے غیرے کے لئے درخوراعتنانہیں۔واقعی وہ اپنی غزل گوئی میں جہان نوتعمیر کررہے ہیں مگران کے تخلیقی اظہارکوابھی اورنکھرنااورسنورنا ہے۔انھیں کاایک شعر ہے:

فن ہے وہ بحر کہ جس کا نہ کوئی اورنہ چھور
اس پہ بھی تنگ ہے پیمانۂ نقادبہت

وہ چاہیں مانیں یانہیں مانیں مگرہم جتلا کررہیں گے کہ اگر''فکروفن'' ساتھ ساتھ چلیں تو شاعری تو آتشہ ہوسکتی ہے۔حدودوقیودکسی چڑیا کانام نہ ہوں مگرشرائط شعرکانام عنقانہیں۔فن کی مہارتیں ہی فنکارکومہارتھی بناتی ہیں۔سہیل اختر نے زبان و بیان کے لحاظ سے غیرمحتاط رویہ اپنایاہے۔جوان کے اشعارمیں الّم غلّم کی طرح درآیاہے۔ان کا کہنا:

سہیلؔ خوف زدہ کیوں ہیں ماہرین فنون
ہماری بے ہنری بھی کہیں ہنر ہی نہ ہو

سراسر بے جواز ہے کیونکہ ع

شاعری بے ہنر نہیں ہوتی

اور جو بے ہنری کو ہنر سمجھے اس کو خدا سمجھے۔ اخترؔ صاحب و سہیلؔ صاحب فرماتے ہیں:

اک ذرا سی مختلفانے کی دھن تھی
تیری طرح تو کہہ سکتا تھا میں تو غز ل

اب اس میں لفظ ''مختلفانے'' ہمارا تھمارا منہ چڑا رہا ہے۔ اور مصرع جھٹکے کھا رہا ہے

خیر چھوڑ یئے اسے اور ایک خوب صورت شعر ملاحظہ فرمایئے:

جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں
جو تجھ کو لکھوں تو کاغذ بھی جیسے پھیلتا ہے

ظاہر ہے اس میں دیگر قافیے جھلیتا' کھیلتا وغیرہ ہوں گے مگر انہوں نے جدت کا ناروا مظاہرہ کرتے ہوئے اردو لفظیات کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مری طرح کبھی پرواز کر نہیں سکتے
یہ جوڑ توڑ انہیں کا مجھے غلیلتا ہے

..

ادھر نہیں کہ ارادہ جدھر تھا جانے کا
ہجوم مجھ کو کسی اور سمت ریلتا ہے

....

تلاش جس کی ہے وہ شئے ملے بھی کیسے سہیلؔ

کہ جستجو کو زمانہ مری نکیلتا ہے

واللہ! ہمیں پتہ نہیں کہ غلیلتا' ریلتا' نکیلتا وغیرہ کے مصدر و فعل کیا ہیں؟ لفظیاتی طور پر اردو اتنی غیر ثروت مند زبان نہیں ہے کہ لوگوں کا قافیہ تنگ ہو جائے اور نہ اردو ابھی اتنی غریب الغرباء ہوئی ہے کہ روزمرہ اور محاورے کو طاق پر رکھ دیا جائے۔

چلئے! چھوٹا سا بریک لیتے ہیں......اور پھر آگے بڑھتے ہیں۔آپ نے'' غالبؔ اور رتھ '' والا چٹکلا تو سنا پڑھا ہوگا اور اردو الفاظ کی تذکیرو تانیث پر چچا غالب ڈھل مل یقین تھے مگر لفظ لونڈا کو کوئی مذکر کیسے باندھ سکتا ہے اور لونڈیا کو کوئی مونث کیسے ٹھہرا سکتا ہے ۔ ہماری نظر میں مروج و مستعمل و مصروف الفاظ کی تذکیرو تانیث میں جو گھپلا کرے وہ نرا سنکی ہے۔ دیوانہ ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ سہیلؔ اختر صاحب الفاظ کی نرومادہ کی تمیز بھی کہیں بھٹک گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں یہ اشعار اور خط کشیدہ الفاظ پر کریں سوچ وچار:

ہم سے اجڑے ہوؤں کو سمجھاؤ

واقعی ہوتا ہے بہار بھی کچھ

...

بد انتظامیوں سے اس کی تنگ آ چکا ہوں میں

نہ جانے کیوں حکومت دروں دے دیا اسے

.....

ٹھٹھر رہا تھا اپنی ہی دسمبروں میں کب سے وہ

تو میں نے جانے اپنا سارا جون دے دیا اسے

..

جسے عطا کیا ہے بھوک ٹھوکریں گداگری
نہ جانے کیوں مہارت فنون دے دیا ہے اُسے

...

اپنا فکر ہوں اپنا ہی معیار ہوں میں
کب فرسودہ فن کی سند میں رہتا ہوں

....

سحر جو دیا ہے تو دے روشنی بھی
بری کیا تھی ورنہ مری تیرگی بھی

ہم مانتے ہیں کہ ماشاءاللہ غزل پر ان کی گرفت اچھی ہے۔لیکن کہیں کہیں واحد جمع بھی ان کی پکڑ میں نہیں آتے ہیں۔اسم اور فعل کا رابطہ بالواسطہ نہیں ہوتا۔یہ خوبی ہے کہ خرابی ہمیں پتہ نہیں دیکھیں اور سمجھیں:

تارے نہ صرف توڑ کے لانا ہمیں کو ہے
ہر گھر سے تیرگی بھی مٹانا ہمیں کو ہے

....

مجھے بال و پر جو دیا تو کیا
مجھے قید ذات سے بھی چھڑا

..

نوازشوں کا شکریہ جو بال و پر عطا کیا

مگراڑان کے لئے بھی آسمان کھول دے

خدا بخشے عبدالرحمٰن بجنوری کو کہ انہوں نے ''محاسن کلام غالبؔ'' لکھ کر غالبؔ کو قطب مینار پر بٹھا دیا تھا لیکن مابعد بہت سوں نے غالبؔ کے پرزے اڑائے ہیں اور اچھی طرح بخیہ بھی ادھیڑا ہے۔اغلاط سے پاک شاعری تو دودھ کے دھلے ہی کر سکتے ہیں۔سہیلؔ اختر کا یہ کہنا شاید بجا ہے کہ:

نہیں فکرادب اہل ادب کو
تو پھر کیوں یہ مصیبت ہم ہی مو لیں

دھولیں' رولیں' بولیں قافیوں والی اس غزل میں 'مولیں' کا قافیہ بھی محل نظر ہے۔ایسی ضرورت شعری کی ایسی کی تیسی جو 'مول لیں' کو مولیں بنادے اور ساری فصاحت کو خاک میں ملا دے ۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ میاں فنی پائمالی پر گوشمالی کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں تو سن لیں ع
ہم اس دیش کے باسی ہیں جو دیش میں اردو روتی ہے

حیات و کائنات کا شاعر۔۔۔سہیل اختر

شاہد عزیز(اودے پور)

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی تحریک، رجحان یا اسلوب اظہار کی ترکیب اپنی تخلیق کے سب امکانات ایک مختصر عرصہ میں مکمل یا ختم کر دیتی ہے۔جو پندہ بیس سال کے اندر ہی اس کی موت کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔جب کسی فرد کی موت ہو جاتی ہے تو اس کی تمام تر اچھائیاں برائیاں اس کے ساتھ ہی دفن ہو جاتی ہیں۔مگر ادب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا ہے۔کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے۔کیونکہ زندگی کبھی نہیں مرتی اس لئے ادب کی موت کا اعلان ایک بے معنی بات ہے۔میں پچھلے چالیس سالوں سے دیکھ رہا ہوں کہ لوگ کبھی ادب کبھی ادیب کبھی تاریخ کبھی تحریک کبھی رجحان کی موت کا اعلان کرتے رہے ہیں۔مگر مرا کوئی بھی نہیں۔ہاں ادب کبھی جمود کبھی زوال کا شکار ہوتا رہا ہے۔اور اس کی ایک وجہ یہ گروپ ازم رہا ہے۔جس سے ادب کو بہت نقصان پہونچا ہے پہونچ رہا ہے۔اور اس کا سیدھا اثر غزل پر پڑا ہے۔نظم پر اس کا اثر اس لئے نہیں پڑا کہ نظم جیسی پہلے لکھی جارہی تھی ویسی ہی اب بھی لکھی جارہی ہے مگر غزل کئی خانوں میں تقسیم ہوتی رہی ہے۔کبھی جدید کبھی مابعد جدید اور کسی ''لاتحریک'' کے سانچے میں غزل کو ڈھالا جارہا ہے۔میں برابر رسالوں کے اداریوں میں پڑھ رہا ہوں کہ غزل دن بہ دن اپنا معیار کھوتی جارہی ہے۔اس کی ایک وجہ اس کا بے حد تعداد میں لکھا جانا بھی ہے اور کچھ لوگ تو غزل لکھ ہی نہیں رہے ہیں صرف تک بندی کررہے ہیں انہیں یہ شعور ہی نہیں ہے کہ غزل کے ان دو مصرعوں میں کوئی ربط بھی ہے یا نہیں ہے بس غزل لکھے جارہے ہیں۔ان بے ربط غزلوں نے بھی غزل کی بڑی بے عزتی کی ہے۔اس کے وقار کو پامال کیا ہے۔مگر غزل تو لکھی جارہی ہے۔اس سے یہ تو پتہ

چل ہی جاتا ہے کہ نہ زندگی رکتی ہے اور نہ ہی شاعری مرتی ہے۔ کیونکہ شاعری اور زندگی ایک ہی شئے کے دو نام ہیں۔

ان دنوں غزل تھوک میں لکھی جارہی ہے اور تھوک میں ہی ضائع ہورہی ہے۔ مگر کچھ لوگ ہیں جو غزل کے چمن کو خون پسینے سے سینچ رہے ہیں۔ ادھر غزل کے کچھ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں جن کی غزلوں نے غزل کے کھوئے ہوئے معیار کو پھر سے حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ان مجموعوں کے سید امین اشرف کا ''بہار ایجاد'' شاہد میر کا ''ریگ رواں'' جمال اویسی کا ''شور کے درمیان'' اور اب سہیل اختر کی غزلوں کا جگمگاتا ہوا مجموعہ ''کاغذ پہ صحرا'' ہے۔ کاغذ پہ صحراء کی غزلوں کو پڑھ کر پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ یہ غزلیں اپنے کھوئے ہوئے وجود کی تلاش میں نکلی ہیں۔ غزل میں جس تازگی کی بات کہی جاتی ہے وہ کیا ہوتی ہے۔ سہیل اختر کی یہ معصوم غزلیں اس تازگی کی مثال ہیں مجھے افسوس ہے کہ سہیل اختر نے اپنے مضمون ''پیش گفتار'' میں کہا کہ شاعری شوق فضول ہے میں اس سے آگے بڑھ کر محمد علوی کی زبان میں کہتا ہے کہ یہ پیشہ ہے ذلیلوں کا۔ مگر دونوں ہی باتیں بے معنی ہیں۔ شاعری ایک ایسا لطیف جذبہ ہے جو شاعر اور شاعری کے قارئین کی روح کو خوشیوں سے بھر دیتا ہے اور اس کے شعور کو بیدار کرتا ہے۔ یہاں محمد علوی اور سہیل اختر میں یہ بات مشترکہ طور پر یہ پائی جاتی ہے کہ محمد علوی نے بھی وقفہ وقفہ سے شاعری کی ہے اور سہیل اختر نے بھی ایک وقفے کے بعد غزلیں کہی ہیں۔ جسے محمد علوی کی غزلوں کی طرح سہل ممتنع کہا جاسکتا ہے۔ سہیل اختر کی غزلوں کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ یہ اضافتوں سے پاک ہیں ان میں مشکل لفظوں کا استعمال نہیں کے برابر ہے۔ یہ سیدھی سادھی شاعری عوام کی زبان میں کہی گئی ہے اس میں عام آدمی کے دکھ درد کو سمیٹا گیا ہے۔ سہیل اختر کئی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ان کے یہ اشعار دیکھئے ؎

برامت مان دل کا صاف ہے وہ

مگر ہر بات بے ڈھب بولتا ہے
تجھ سے ملنے کی تمنا تو بہت ہے لیکن
ہم ہیں خود راہ کی دیوار کسے کیا کہئے
ضرورت مند ہے اپنی انا کو مار ڈالے گا
حقارت سے وہ ایک پھینکا ہوا سکہ اٹھا لے گا
جو پڑھ سکو تو پڑھو جھریوں کی تحریریں
جوانیوں میں ہوا ختم کیوں شباب یہاں
بھٹکتے پھر رہے ہو کیوں تمناؤں کی بستی میں
تمھیں محرومیو! میرے علاوہ کون پالے گا
جو سکھ ہے دینے میں وہ لینے میں سکون کہاں
یہ میں نے جب ہوئی تسخیر انکشاف کیا

یہ اور اس طرح کے کئی اور اشعار اس کتاب میں شامل ہیں۔ جو اس بات کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ سہیل اختر اپنے آس پاس کے حالات اور زندگی پر بہت گہری نظر رکھتے ہیں۔ سہیل اختر نے بہت کم مدت میں اپنے آپ کو ادبی دنیا میں منوالیا ہے۔ میں نے ان کتابوں پر بڑے معیاری رسالوں میں بڑے اہم لوگوں کے لکھے ہوئے تبصرے پڑھے ہیں۔ جیسے ادب ساز میں نصرت ظہیر کا، نئی کتاب میں ذکی طارق کا، اردو بک ریویو میں ڈاکٹر عبید الرحمٰن کا، رنگ میں وقار قادری کا وغیرہ۔ کہا جا سکتا ہے کہ سہیل اختر مستقبل کا ایک اہم شاعر ہوگا۔

غزل کا ایک معتبر شاعر... سُہیل اختر

محمد صدّیق نقوی (ادونی)

محترم ظہیر دانش صاحب کے توسط سے مجھے سُہیل اختر کی صاحب کی غزلوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔غزلوں کا یہ مجموعہ اُن ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے جس میں ایک سو پینتیس (۱۳۵) غزلیں شامل ہیں۔اگر شاعر کو شاعر کہنے کے لیے یہ پیمانہ مقرّر کرلیا جائے کہ اس کے پاس کم از کم اس کی سو غزلوں کا سرمایہ ہوتو سُہیل اختر اس ایک شعری مجموعے کی بنیاد پر ہی معتبر شعراؑ کی فہرست میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔یہ تو ایک ضمنی بات تھی لیکن اُن کی غزلوں کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سُہیل اختر نے عمر کا ایک بڑا حصّہ گیسوئے غزل کے سنوارنے میں گذارا ہے تب ہی اُن کی غزلوں میں پختگی اور فکر و احساس کا رچا ہوا انداز ملتا ہے۔اُن کے نزدیک غزل کی روایت کا احترام بھی ہے اور جدید رویوں سے آگہی بھی۔

1970ء کے بعد سے اردو غزل میں جن رجحانات نے جگہ بنائی اس نے اس کو نئی غزل کا نام بھی دیا۔نئی غزل کے اکثر شعراؑ کلاسیکی غزل کے رمز شناس ہیں، وہ لفظوں کی داخلی معنویت کا ادراک رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نئی غزل میں معنی آفرینی کے ساتھ گہرائی اور گیرائی بھی سمٹ آئی ہے۔نئی غزل، نئے حالات اور نئی تبدیلیوں کی عکاس ہی نہیں نئے ذہن کی پیداوار بھی ہے۔1970ء کے بعد غزل میں در آنے والے تمام رجحانات سُہیل اختر کی غزل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔اِس لحاظ سے اُن کی غزل نئی غزل کے زمرے میں آتی ہے اور وہ نئی غزل کے شعراؑ کی پہلی صف میں شمار ہوتے ہیں۔اُن کا لب و لہجہ اُن کی انفرادیت کو نمایاں کرنے کے ساتھ اُن کی شناخت بھی قائم کرتا ہے۔

نئی غزل نے موجودہ دور کی انسانی نا آسودگی، خوف و ہراس اور احساسِ شکست کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔ مشینی دور نے انسان کے جذبات و احساسات پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اس نے رشتوں میں دوری اور فرد میں تنہائی کے احساس کو اُجاگر کر دیا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات نے انسانی اقدار کو پامال ہی نہیں کیا بلکہ اخلاقی گراوٹ کا ثبوت بھی دیا۔ نئے حالات میں زندگی بسر کرنے والوں سے اُمید کا دامن چھوٹتا معلوم ہوتا ہے اور بے نام سی خواہشوں کے اُلجھاؤ نے انسان کا چین وسکون بھی چھین لیا ہے۔ سُہیل اختر کی غزل مذکورہ تمام رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ یہ چند شعر ضابطے کی تکمیل کے لیے پیش ہیں:

ہے خواہشوں کے جنگلوں میں اب کے تیرگی عجب
اُمید کی سرنگ کے سرے پہ روشنی عجب

......

خواب و اُمید ہو کہ نیند ہر اک شئے ٹوٹی
اب اِن آنکھوں میں تو رہتا ہے فقط ڈر یارو

......

ٹین کے شڈ میں مرا خوابِ گراں رہتا ہے
زنگ آلود سا احساسِ زیاں رہتا ہے

....

نقوشِ پا سے بھی آگے ہے منزلِ مقصو
وہاں ہے جانا جہاں راستہ نہیں جاتا

......

نہ زینے پر کوئی آہٹ نہ در پہ ہے دستک
تو کیوں سکون سے گھر میں رہا نہیں جاتا

...

یہی تو کہہ گیا وہ جل کے مرنے والا بھی
اب اعتبار کے قابل نہیں اُجالا بھی

....

داخلِ کفر تو ہے ترکِ تمنّا لیکن
خواہشوں نے بھی گُنہ گار بنا رکھا ہے

......

مجھ کو زندہ سمجھ رہے ہو، اچھا ہے
اسی لیے سانسوں کی لحد میں رہتا ہوں

....

جُدائیوں کا عجب دور آ گیا اختر
کہ قسمتوں سے بھی اب قسمتیں نہیں ملتیں

....

وگر نہ شہر کے حالات سب ہیں قابو میں
دلوں میں تھوڑا سا خوف و ہراس باقی ہے

الگ اک شخص دنیا سے ملا تھا

مگر اب وہ بھی دنیا ہوگیا ہے
کبھی رہتے تھے سپنوں کے نگر میں
پر اب سب کچھ ہی سپنا ہوگیا ہے
چلو اس جانِ محفل سے مل آئیں
سُنا ہے اب وہ تنہا ہوگیا ہے

....

بُھگت چکا ہوں سو یہ درد جانتا ہوں سہیلؔ
دہل سا جاتا ہوں ہوتا ہے جب فساد کہیں

......

کس خطا پر جلا ہے گھر اس کا
اب یہ معصوم کو بتائے کون

......

زندگی نے تو نہیں کی تھی کمی پھر بھی سہیلؔ
ایک اندر ہے جو انجان کسک جاتی نہیں

سُہیل اخترؔ کی نئی غزل سے چند ایسے اشعار بھی ملاحظہ فرمالیجیے جس میں آج کی حقیقتوں کا اظہار ہوا ہے:

یہ دفتر وں سے لوٹتی تھکی اُداس لڑکیاں
بغیر آرزو کے جی رہی ہیں زندگی عجب

.....

بے حسی شرط ہے جینے کے لیے دنیا میں
اور ہم لوگوں کو احساس کی بیماری ہے

....

جو اتنا ظلم ڈھاؤ گے سکوں تم بھی نہ پاؤ گے
بڑا ہوکر کہیں ہر بچّہ ایٹم بم نہ ہوجائے

......

مرا نصیب کہ ایسی زباں کا شاعر ہوں
کہ جس کا پڑھتا نہیں کوئی اک رسالہ بھی

.....

ہم کسی بھی بات پر حیراں نہیں ہیں
تجربوں نے اس قدر پختہ کیا ہے

سُہیلؔ اختر کا یہ مجموعۂ کلام اُن کے پختہ تجربات کے ساتھ ایسی کئی غزلیں اپنے اندر رکھتا ہے جس کو یقیناً صاحبِ نظر سراہیں گے۔ اِس میں اُن کی جہاندیدگی اور جہاں فہمی دونوں نے جذبے، خلوص اور فن کی ملمع کاری سے جِلا پائی ہے۔

ایک شاعر دو تخلص

(طنزو مزاح)

محمد رفیع الدین مجاہد(اکولہ)

میرے خیال سے (اسے صرف میرا خیال ہی سمجھا جائے) شاعر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ایک کتابوں کا شاعر(مع اخبارات ،رسائل وجرائد بشمول گوشے و خاص نمبرات) دوسرا مشاعروں کا شاعر(مع مترنم شاعرہ، پھر چاہے وہ کسی اور کے کلام کو اپنی سریلی آواز اور میک اپ کی خوشبو سے مشاعرے کو زعفران زار بنادے) تیسرے سہیل اختر!۔

آپ یہ معلوم کرنے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں کہ تیسرے سہیل اختر ہی کیوں؟ یقین کیجئے! بلکہ مزید یقین کیجئے۔آپ کا یہ معلوم کرنا بجا ہے۔بے جا نہیں۔ ہرگز بھی نہیں! لیکن میں نے سہیل اختر کی ایک دو یا تین چار یا پھر دس بیس نہیں بلکہ پوری ایک سو اکیس غزلیات کا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ سہیل اختر سہل بھی ہیں اور سلیس بھی۔کیونکہ ان کی شاعری کے پڑھنے میں اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی تسلسل ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ایک طرح کی روانی ہے۔جیسے موتیوں کو کھنگالا جارہا ہے اور موتی ہیں کہ ختم ہی نہیں ہوتے بلکہ بے شمار سے بھی زیادہ ہاتھ میں آرہے ہیں اور انہیں سنبھالنے کی سعی ہورہی ہے کہ کیا پتہ پھر ملے یا نہ ملے؟۔

آپ پھر یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ میں اتنا فارغ کیوں ہوں؟(معاف کیجئے گا! مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں) اتنے کثیر تعداد میں اخبارات ورسائل (مع شعری مجموعے) کس طرح سے پڑھ

لیتا ہوں؟ تو جناب ! بلکہ عالی جناب !! یہ عظیم کارنامہ (یعنی کسی شاعر کی چاہے وہ سہیل اختر ہی کیوں نہ ہوں۔ایک سو اکیس غزلیں پڑھنا) میں نے گویا یکشمت ہی انجام دے دیا کہ محترم ظہیر دانش نے غزلیات کا سٹ ہی مجھے بھیج دیا تھا اور مضمون لکھنے کے لئے بے حد بلکہ مزید بے حد اصرار کرتے ہی چلے جا رہے تھے اور وہ بھی فون پر! (بڑی ہی میٹھی آواز میں)۔

ٹھہریئے !اب میں خود ہی ایک سوال قائم کرنے کی جسارت کرنے جا رہا ہوں کہ سہیل اختر کی شاعری کا دور ہے کونسا؟ دورِ قدیم؟ دورِ جدید وعصرِ حاضر؟ یا مستقبل؟ چلئے جواب بھی میں ہی دے رہا ہوں۔میرا ادبی نظریہ (نظریہ کی بنا پر مجھے نقاد یا محقق سمجھنے کی فاش غلطی، غلطی سے بھی مت کیجئے گا) یہ ہے کہ سہیل اختر کی شاعری تینوں ادوار پر مشتمل ہے۔غزلیات میں تینوں رنگوں کا امتزاج محسوس ہوا۔ بلکہ بڑی شدت سے اور بڑی سرعت کے ساتھ محسوس ہوا۔تغزل جو کہ قدیم دور کے شعراء کے لئے لازمی بلکہ فرض عین خیال کیا جاتا تھا' موجود ہے۔کرب اور حساس طبیعت کی وجہ سے حسّاسیت کی نمی۔حالات حاضرہ کی رو سے واقعات کی بیخ کنی بمقابلۂ جان کنی وغیرہ لوازمات بدرجۂ اتم یہ کہ نہ صرف موجود ہیں بلکہ ظاہر بھی ہوتے ہیں۔کبھی محسوس ہوتا ہے کہ سہیل اختر مشاعروں کے شاعر ہیں ۔کبھی یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ سہیل اختر اردو ادب کے افق پر بہت جلد چھا جانے والے شاعروں کی طرح شاعر ہیں۔دیکھئے ان اشعار کو:

میری امید دوری پہ رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی نامعلوم ایک سیارے میں رہتی ہے

...

جب سے جانا اسے کھونے کے فوائد ہیں بہت
بھول جاتا ہوں تو نقصان بھی کم پڑتا ہے

اور یہ بطور خاص:

مشینی عہد کا پرزہ ہوں اختر پھر بھی رکھتا ہوں
وہ اک پرواز کی خواہش جو طیارے میں رہتی ہے

نقد و نظر کے لئے بالکل ہی خاص:

یہ کون ہے جو مقدر کا کھیل کھیلتا ہے
مجھے پہاڑ کی چوٹی سے کیوں سے دھکیلتا ہے

اور اسے تو جیسے آپ کی پڑھنے کے لئے لکھا گیا ہے:

زندگی جیسی تپسیّا سے گزر جانے کے بعد
کوئی وردان ہو وردان بھی کم پڑتا ہے

......

جب سہارا ملے کافی ہے سہیل اک تنکا
غرق پھر کرنے کو اک طوفان بھی کم پڑتا ہے

اور (پڑھتے پڑھتے آپ، لکھتے لکھتے میں) سے بھی دیکھ لیجئے نا!

کیا کبھی شب کو دن بنا پایا؟
آدمی کو ہے اختیار بھی کچھ؟

(ایک شعر دو سوال)

زحمت کیجئے! ہاں جی میں تو زحمت ہی کر رہا ہوں (لکھنے):

شام بھی اور انتظار بھی کچھ
جیسے ہوتا ہے پیار و یار بھی کچھ

.....

جس کو چاہو نہ ملے جس کو نہ چاہو وہ ملے
زندگی کبھی تیرا معمہ بھی کبھی حل ہو جائے

......

فرصت شوق ہے نہ ذوق ہی باقی ہے کوئی
چاندنی پھر بھی مری چھت پہ ٹہلتی کیوں ہے

اصل میں غزل میں تغزل ایسا ہی ہے جیسے کسی انتہائی حسین و جمیل دوشیزہ کے خوبصورت اور مخروطی انگلیوں والے ہاتھوں کی کلائیوں میں کانچ کی نازک مگر رنگین و چمکدار چوڑیاں۔اک ذرا دھکا لگا، چھناک کی آواز آئی‘ٹوٹ پھوٹ گئیں۔دوشیزہ کا وقار تو مجروح ہوا ہی‘وہ اپنی دوشیزگی سے بھی محروم ہوگئی۔سہیل اختر نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ غزل کا تغزل کسی تر دد میں تو نہیں بدل رہا ہے ؟ کیونکہ اسی تغز نے آج بھی غزل گو شعراء کی لاج رکھی ہوئی ہے۔جس کا سہرا سہیل اختر بھی پہنے نظر آتے ہیں۔کہیں کہیں تضمین بھی کی گئی ہے۔

شاعر(میں ماہنامہ شاعر ممبئی جو اپنی عمر کے سوویں پڑاؤ کی جانب گامزن ہے‘ کی بات نہیں کرر ہا ہوں) کا مطالعہ کرنے کے لئے شاعر ہونا ضروری نہیں ہے۔لکھنا بھی اسی ضمن میں آ سکتا ہے ۔لیکن حسن اتفاق سے وہ یعنی شاعر سہیل اختر ہوں تو!

کھلے اس پر نہ مفہوم کیا کیا جائے
مرا کلام ہے منظوم کیا کیا جائے

سہیل اختر کی چند غزلوں کے منتخب اشعار پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار انہوں نے کہیں کس طرح ؟(زبان سے !)اس قدر جدت‘اتنا تغزل اور پھر حساس طبیعت لائی کہاں سے‘اشعار کو

گویا بے قرار دل کی زبان بنا کر ایسے اور اس درجہ پر اثر بنا کر چھوڑا کہ شاعری کا مطالعہ چھوڑنے سے اب تو توبہ کرنے کو دل چاہتا ہے۔مزید دل چاہتا ہے کہ پھر سے شاعر ہو جاؤں۔(ہاں!ایک زمانے میں میں شاعر تھا)اگر کوئی شاعر اتنے عمدہ اور دلوں کو چھو لینے والے اشعار کہہ رہا ہو اور بڑا ہی پیارا لب ولہجہ ہو تو اس طرح کے خیالات کا پنپنا لازمی ہے(یہ خیالی پلاؤ نہیں)۔

میں اپنے مضمون کو جاندار اور سہیل اختر کی شاعری خصوصاً غزل گوئی کو شاندار بنانے کے لئے بلا مبالغہ مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہا ہوں نا!۔کیا یہ اشعار اسے ثابت کر رہے ہیں؟

میری آنکھوں میں ستارے سا چمکتا ہے کوئی
شب گئے دیر تلک مجھ میں سسکتا ہے کوئی

......

ڈوب جاتا ہے تری آنکھوں میں جب چاند مرا
میرے اندر کہیں سائے سا سرکتا ہے کوئی

......

ہے تو ننھا سا دیا پھر بھی یہ جرأت کی ہے
ظلمتوں میں بھی اجالے کی حمایت کی ہے

......

اب کوئی زخم ہو بھر جائے گا مجھ کو ہے یقیں
آ کے اک پھول نے کل میری عیادت کی ہے

......

طلب کیا جب اس نے اپنا خون دے دیا اسے

اسی بہانے اک ذراجنون دے دیااسے
ہجر کا زہر بھی چڑھنے لگا اب نس نس میں
ہے جو تریاق خداجانے کہاں رہتا ہے

......

رات آتی ہے جب سبز پری مت پوچھو
میں کہاں ہوتاہوں مرا احساس کہاں رہتا ہے

میرے خیال سے (میں پھر سے کہہ رہاہوں کہ اسے صرف میرا خیال سمجھا جائے) جدیدیت ومابعد جدیدیت نے شاعری کوکبھی متاثرنہیں کیااورنہ کرسکے گی۔لیکن شاعرکوضرورمتاثر کیاہے۔وثوق سے توکہانہیں جاسکتا(لکھا بھلے ہی جاسکتاہے) کہ سہیل اختر بحیثیت شاعرمتاثرہوئے یانہیں؟مگر دورجدید اورعصرحاضر کادردوفکر،کڑھن،کسک،احساس،کلبلاہٹ،ہچکچاہٹ،ڈگمگاہٹ،جھنجھلاہٹ، پھسپھساہٹ،کپکپاہٹ اورآہٹ کوسہیل اختر کی غزلوں میں صاف طورسے محسوس کیاجاسکتاہے۔اس ضمن میں سہیل اختر کے کچھ شعرایسے ہیں جوانہیں' شیر' بنادیتے ہیں کہ ان اشعارمیں لاگ لپیٹ کے بغیرعلی الاعلان حق بات کی فہمائش کی گئی ہے:

ذہن والے کیسی الجھن چاہتے ہیں
دل نہیں رکھتے ہیں دھڑکن چاہتے ہیں

......

یہ کتّے بھونکنے والے ہیں ان پر دھیان مت دینا
تمھارے گیت کی لے دیکھنا مدھم نہ ہوجائے

......

بھلے لوگوں کو اب اتنا ستاؤ مت جہاں والو!
کہیں ان کے بھی اندر کی حلاوت سم نہ ہو جائے

......

جو اتنا ظلم ڈھاؤ گے سکوں تم بھی نہ پاؤ گے
بڑا ہو کر کہیں ہر بچہ ایٹم بم نہ ہو جائے

......

کس کو آئے گا یقیں شعلہ صفت ہم تھے کبھی
یوں ہوئے خاک بچا ایک شرارہ بھی نہیں

......

اہل دل ہوں گے جو پابند قسم ہوں گے ہی
سچ کو تائید کی حاجت نہیں تنہا ہے بہت

......

مری بساط کیا جو شاطروں سے چال چل سکوں
یہ خود انہیں کی چال تھی جو ان پر ہی الٹ گئی

......

یہی تو کہہ گیا وہ جل کے مرنے والا بھی
اب اعتبار کے قابل نہیں اجالا بھی

......

مرا نصیب کے ایسی زباں کا شاعر ہوں

کہ جس کا پڑھتا نہیں کوئی اک رسالہ بھی
اگر کرے حفاظت وہ تو کیا کسی کی مجال
سہیل کافی ہے مکڑی کا ایک جالا بھی

......

ہاں وہی اپنے قبیلے کا کرے گا سودا
ہم نے جس شخص کو سردار بنا رکھا ہے

......

مجھ کو سقراط کے قصے نہ سناؤ لوگو!
پیش تم پہلے مجھے زہر کے پیالے تو کرو

مندرجۂ بالا اشعار میں صنعت تلمیح بھی استعمال ہوئی ہے۔

کہیں کہیں یا کبھی کبھی سہیل اختر کی غزلوں میں طنز و مزاح و ظرافت بھی جھلکتی ہے۔ کہیں تو طنز کی آڑ میں مزاح جھانکتا ہے اور ظرافت منہ پھلائے کھڑی رہتی ہے تو کبھی صرف ظرافت جھانک لیتی ہے اور طنز و مزاح بس منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ (یعنی جو ہزل میں ہوتا ہے وہ غزل میں بھی) بر سبیل تذکرہ عرض کرتا (بلکہ لکھتا) چلوں کہ میں خود بھی ایک اچھا بلکہ مزید اچھا طنز و مزاح و ظرافت نگار ہوں۔ (یہ منہ اور مسور کی دال) اس لئے شاعری اور بھی تغزل والی غزلوں میں اپنے مطلب کی چیز تلاش کر ہی لی اور کس حد تک کامیاب ہوں؟۔ دیکھئے یہ اشعار:

ٹھٹھر رہا تھا اپنی دسمبروں کب سے وہ
تو میں نے جا کے اپنا سارا جون دے دیا اسے

......

کہاں وہ آرزو لکھتے طویل خط اس کو
یہاں تو فون بھی ہم سے نہیں کیا جاتا

......

روشنی سے کبھی سائے بھی جدا ہوتے ہیں؟
زندگی ہے تو میاں رنج و الم ہوں گے ہی

......

ہر اک ذہن ہر نظر پر ہے چینلوں کا اثر
اب اختلاف رائے کی زمین بھی سمٹ گئی

......

بتا دیا ہے زمانے کی کیکٹس نے ہم کو
کوئی طلب نہ کرلے لہجۂ گلاب یہاں

......

اس کمرے کی جلتی ہے کیوں بتی شب بھر
کیوں جاگے وہ اور کرے کیا ساری شب بھر

......

سانس لیتے ہوئے بے جان اداکار فقط
زندگی ہم ترے اسٹیج کے کردار فقط

......

ایک جیسی ہیں یہ خوں ریزی کی تفصیلیں تمام

اب پڑھا کرتے ہیں ہم فقط سرخیِ اخبار
کیوں سہیل آپ لئے بیٹھے ہیں دکھڑا اپنا
لوگ آتے ہیں یہاں سننے کو اشعار فقط

......

سچ کی تمثیل نہیں ہوسکتا
خواب تشکیل نہیں ہوسکتا

....

ہفتہ اتوار تو ہوسکتے ہیں
جمعہ تعطیل نہیں ہوسکتا

......

غزل کہتے ہیں ہم گاتے نہیں ہیں
نہیں سننا اگر خاموش ہولیں

ظاہر ہے کہ اس کے بعد دنگا فساد ہونا ضروری ہے۔ لیجیئے ملاحظہ کریں یا پھر مقابلہ کریں:

بھگت چکا ہوں سو یہ درد جانتا ہوں سہیلؔ
دہل سا جاتا ہوں ہوتا ہے جب فساد کہیں

....

بستیاں پہلے بھی اجڑیں لیکن
ایسی ویرانی کہاں تھی پہلے

....

جنون شہر دیکھ ہے یہ موقع فائدہ اٹھا
سہیل اینٹ پتھروں کی اب دکان کھول دے

....

ڈھایا کرتے ہو خوابوں کا محل تم کیسے؟
ہم سے بچوں کا گھروندہ بھی نہ توڑا جائے

...

شہر کرفیو میں ہے سنسان گلی چپ ہیں شجر
کانپ جاتا ہوں جو پتّا بھی کھڑکتا ہے کوئی

....

ادھر اسلام بھی تکبیر والا
ادھر ترشولی مذہب بولتا ہے

چلتے چلتے۔۔۔لکھتے لکھتے:

اختر غزلیں بہت کہیں اور داد بھی پائی
فن کی کسوٹی پر بھی کوئی اترا مصرعہ؟

آخر میں بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ:

جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں
جو تجھ کو لکھوں تو کاغذ بھی جیسے پھیلتا ہے

سہیل اختر غزلیہ شاعری کی ایک اہم آواز

قیوم بدر (کولکاتہ)

اردو شاعری میں غزل ہر زمانے میں مقبول صنف رہی ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے کے شعراء نے اپنے خیال کے اظہار کا ذریعہ غزل کو ہی بنایا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ غزل اردو شاعری کی سب سے آسان صنف سخن ہے۔ کچھ لوگ غزل کو اس لئے بھی پسند نہیں کرتے کہ مذکورہ صنف سخن روایتی استعارے و تماثیل، وہی بلبل و گل گیسو و عارض کے قصے یعنی غزل میں اب کچھ کہنے کو نیا نہیں ہے۔ لیکن یہ سچ نہیں۔ غزل جسے رشید احمد صدیقی نے اردو شاعری کی آبرو کہا ہے غزل کا جادو ہر دور ہر زمانے میں سر چڑھ کر بولتا رہا ہے جس کی خاطر یقیناً خون جگر آمیزش درکار ہوتی ہے۔ آج بھی غزل کے پرستاروں میں ایسے جیالے موجود ہیں گو ان کی تعداد کم ہے جو شعراء کی اسی بھیڑ میں اپنے اسلوب، منفرد لب و لہجہ کے سبب دور سے جانے پہچانے جاتے ہیں ایسے شعراء میں ایک اہم نام سہیل اختر کا ہے۔ سہیل اختر کی غزلیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان کے اندر شعری جراثیم موجود ہیں بلکہ تجربہ و مشاہدے کی بھی کمی نہیں، کہنے کا انداز بھی شائستہ ہے:

میرا نصیب کہ ایسی زباں کا شاعر ہوں
کہ جس کا پڑھتا نہیں کوئی اک رسالہ بھی

جب لوگ اردو کی روٹی توڑیں لیکن اپنے بچوں کو اردو کے بجائے کسی اور زبان میں تعلیم دیں تو شاعر کا دل یقیناً تڑپے گا:

مر رہی ہے زبان ہی جب یارو
کیسے رہ پائے گا ادب زندہ

علاوہ ازیں شاعر نے اپنے جذبات، اپنے کرب کو شعری پیکر یوں عطا کیا ہے:

کچھ ایسے زخم کسی کو دکھا نہیں سکتے
کچھ ایسا درد جو بالکل سہا نہیں جاتا

غزل کی خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا دامن اتنا وسیع ہے کہ دنیا جہاں کا غم اس میں سمیٹ لینے کی گنجائش ہے سہیل اختر نے بھی یہی کیا ہے۔ لیکن سلیقہ وشائستگی کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے جو غزل کی اولین شرط ہے:

ہمیشہ مجھ میں وہ کیڑے نکالتا ہے سہیلؔ
وہ جس کا عیب بھی مجھ کو لگے ہنر کی طرح

.....

وہ چشم تر عجب آتشیں نظارہ تھا
کہ جیسے جھیل میں جلتا ہوا لشکارا تھا

.....

بجھاتا تھا جو دریا پیاس سب کی
سہیلؔ اب خود ہی پیاسا ہو گیا ہے

سہیل اختر کے بیشتر اشعار پڑھ کر بیساختہ میری زبان سے نکلا ع
میں یہ سمجھا تھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

آپ بیتی کو جگ بیتی بنانا اسی کو کہتے ہیں:

سہیلؔ اس سے زیادہ میں اورکیا کرتا
بس انتظار کیاوقت کے بدلنے کا

سیاست کے زیر اثر ہمارے ملک کی فضائیں دن بدن مسموم ہوتی جا رہی ہیں جوحساس دل لوگوں کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے۔ حدتو یہ ہے کہ اب آدمی کو آدمی کا اعتبار نہیں رہا سہیل اخترؔ کے اشعار میں یہ کرب نمایاں ہے:

فسادمیں جسے میں نے پناہ دی گھر میں
وہ شخص دل میں مرے بس گیا ہے ڈر کی طرح

.....

پلے بڑھے ہیں اسی شہر میں کہاں جائیں
فضائیں ہوگئیں مسموم کیا کیا جائے

آج کے قائد کی سچی تصویر:

ہاں وہی اپنے قبیلے کا کریگا سودا
ہم نے جس شخص کو سردار بنا رکھا ہے

اس شعر میں خدائے سخن میر تقی میر کی طرح شکوہ:

دسترس میں تو ہماری ہر شئے رکھی اس نے
صرف حالات کو دشوار بنا رکھا ہے

بہرکیف! سہیل اخترؔ کی شاعری پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان کی آواز میں دم ہے ۔اسے نظرانداز کردینا ممکن نہیں ہے کل کی غزلیہ شاعری میں سہیل اخترؔ یقیناً ایک اہم نام ہوگا۔ انشاءاللہ!۔

جو تجھ کو سوچ ور تو روشن نئے نئے امکاں

جاوید اختر اعظمی عمری (مئوناتھ بھنجن)

یہ ہے سہیل اختر کے ایک خوب صورت شعر کا خوب صورت مصرع، جو حمدیہ اور مدحیہ پیرائے میں شاعر کی جانب سے بارگاہ الٰہی میں پیش کردہ قلبی عقیدت ومحبت کا مظہر تو ہے ہی ساتھ ہی شاعر کی سخن گوئی میں اس کے فکری وفنی شعور اور اس کی امکانی وسعتوں سے بحث کرنے کے لئے بھی دعوت سخن دے رہا ہے۔ سہیل اختر کی شخصیت ان کی شاعری کے تناظر میں بحیثیت ایک خوددار، حساس اور مصلح قوم فرد کے نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے رومانی خیالات وتصورات سے پرے حقیقت پسندی کے میدان کو ہی اپنا ترجیحی معیار بنایا ہے۔ اور وقت کے سلگتے مسائل کو بطور خصوصی اپنا موضوع سخن بنانے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

سہیل اختر کی شاعری جو کہ غزل گوئی پر مشتمل ہے۔ جہاں فکر ی اعتبار سے ایک الگ اور منفرد انداز کی حامل ہے وہیں اس کی فنی خصوصیات اور اس کا تنوع بھی انفراد رکھتا ہے۔ ''تلمیحات' جو کہ فن شاعری کا خاص وصف ہے جس کے توسط سے تاریخ کے کسی اہم واقعے کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ جامع معنی ومفہوم سے مزین الفاظ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس وصف کی ایک عمدہ جھلک سہیل اختر کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ اس کی تائید میں نمونے کے طور پر چند اشعار ہی کافی ہیں

اگر کرے وہ حفاظت تو کیا کس کی مجال
سہیلؔ کافی ہے مکڑی کا ایک جالا بھی

....

کہف کے غار سے اب نکلے گا کون

ہے خبر، دورستم ہے اب تک

...

کعبۂ دل کو بچالے یارب

پھر ابابیل کا لشکر چاہتا ہوں

جیسا کہ واضح ہے، پہلے شعرمیں واقعۂ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔آپ ﷺ اپنے رفیق ابوبکرصدیق ؓ کے ہمراہ جب بغرض حفاظت جب ایک غارمیں جاچھپے تو اس وقت مکڑی نے غار کے دہانے میں جاچھپے۔تو اس وقت مکڑی نے غار کے دہانے پر جالے بن دئے جس کے سبب آپ ؐ دشمنوں سے محفوظ رہے۔دوسرے شعرمیں اصحاب کہف کے واقعے کی طرف اشارہ ہے جواس وقت کے ظالم حکمران کے خوف سے غارمیں جاچھپے تھے۔جس کاتفصیلی ذکرسورۂ کہف میں موجودہے۔جبکہ تیسرے شعرمیں اشارہ ہے ابرہہ کے لشکر کی تباہی کی طرف جبکہ اس نے کعبہ کومنہدم کرنے کی نیت سے حملہ کیاتھا۔سہیل اختر کی شاعری میں اس وصف کی فنی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے ان واقعات کواپنے شعروں میں بطوراستدلال پیش کیاہے۔

سہیل اختر کے یہاں ایک فنی خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری میں قرآن کریم سے مستفادمفہوم کا اقتباس بھی ملتاہے۔جسے انہوں نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے اشعارمیں ضم کیاہے دوشعردیکھئے

ہم سے بیکاروں کا مصرف بھی یقیناً ہوگا

کب جہاں اس نے یہ بیکاربنارکھاہے

اس شعر میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

وماخلقنا السموات والارض ومابینھمالاعبین ،وماخلقناھما الابالحق ولکن اکثرھم لایعلمون(الدخان:۳۸،۳۹) [ترجمہ: ہم نے آسمان وزمین کواور جو کچھ ان کے درمیان ہے محض کھیل اور تماشہ کرتے ہوئے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ ہم نے انہیں حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا، مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے]

دسترس میں ہماری رکھی ہر شئے اس نے
صرف حالات کو دشوار بنا رکھا ہے

اس شعر کا مفہوم اس آیت کریمہ سے مستفاد ہے:

وسخرنالکم مافی السموات ومافی الارض جمیعاًمنه ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون(جاثیہ:۱۳) [ترجمہ: اور آسمان وزمین کی ہر شئے کو اللہ نے تمھارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ بے شک ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرنے والے ہیں اس میں (معرفت حقیقی کی)نشانیاں ہیں]

مافی الضمیر کی ادائگی اوراحساسات کی ترسیل کے لئے الفاظ کی قدر وقیمت مسلم ہے۔لیکن محض تک بندی یا لفاظی اس سلسلے میں مفید نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ حسن معانی کا امتزاج نہ ہو ۔سہیل اختر کا نظریۂ شاعری بھی یہی ہے کہ صرف الفاظ کو تہہ دار کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ احساسات اورجذبات کے اظہار کے لئے مناسب اور برمحل الفاظ کا انتخاب ہو جو معانی سے پورے پورے ہم آہنگ ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

یہ شاعری بھی اسیر طلسم رہی
جہان معانی سے آئی کوئی صدا ہی نہیں

...

وہ کرب روح معانی نہ کرسکے محسوس
گوزخم زخم پہ لفظوں کے تبصرے بھی ہوئے

....

کیسے مدعا کہئے
لفظ جب ہوں بے معنی

موصوف اپنے منفرد نظریۂ شاعری کے تحت اپنے لئے ایک الگ راہ متعین کرتے ہیں جو ہر قسم کی روایات سے آزاد ہے۔روایات کی رو میں بہہ جانا موصوف کی نظر میں فرسودگی ہے کوئی قابل ستائش اقدام نہیں۔کہتے ہیں

اپنا ہی فکر ہوں اپنا ہی معیار ہوں
کب فرسودہ فن کی سند میں رہتا ہوں

....

لہو سے میں نے کیا زعفران، کشت فن
کہ شاداب نہ رہے تشنگی کہیں بھی کوئی

جہاں تک سہیل اختر کی شاعری میں ان کے فکری مزاج اور خصوصیت کا سوال ہے تو اس کا بھی باختصار جائزہ لیتے ہیں۔موصوف کی شاعری میں ان کے فکری رجحانات کی تشکیل میں سب سے نمایاں رول خودداری اور خود اعتمادی کا ہے۔اور یہ ایسا وصف ہے جو ہر حقیقت پسند شاعر کا طرۂ امتیاز ہے ۔چنانچہ موصوف زندگی کے ہر شعبے میں اس صفت سے متصف نظر آتے ہیں۔اور اپنے مخاطب کو بھی خودداری وخوداعتمادی سے متصف ہوکر زندگی گزارنے کی ترغیب دیتے ہیں۔یہی وصف انہیں اظہار حق

پر پوری طرح ابھارتا ہے جیسے یہ شعر

اک ضروت نے طلبگار بنا رکھا ہے
اس پہ غیرت نے بھی خوددار بنا رکھا ہے

...

ضرورت گر پڑی پیروں کے خودداری کے کیا کیجئے
انا کے در سے تو اٹھ جاؤں گردن خم نہ ہو جائے

...

ضرورت مند ہے اپنی انا کو مار ڈالے گا
حقارت سے وہ اک پھینکا ہوا سکہ اٹھالے گا

....

اگرچہ فطرةً ہوں پھول کی پتی سے نازک تر
وہی میں وقت پڑ جائے تو پھر تلوار ہوتا ہوں

....

یہ اک فلک جو ہے ظالم ،پرندے کیا غم
ابھی اڑان کو باقی ہیں آسمان بہت

...

بہت حساس شیشے کی طرح اک دل تو رکھتے ہیں
مگر ہر عزم ہم نے صورت فولاد رکھا ہے

....

ہے تو ننھا سا دیا پھر بھی یہ جرأت کی ہے
ظلمتوں میں بھی ا جالے کی حمایت کی ہے

سہیل صاحب ایک حساس دل رکھتے ہیں۔ایک حساس طبیعت وفطرت کا مالک شاعر اپنے موجودہ ماحول وگردونواح کے احوال وکوائف سے چشم پوشی نہیں کرسکتا بلکہ اس حساس فطرت بجذبۂ صادق اپنے مخاطب کو وقت کے مسائل سے روشناس کراتی ہے۔چنانچہ سہیل حالات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔اورانسانیت کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھنے والے افکار وعوامل سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے خلاف آواز بھی اٹھاتے ہیں۔چند اشعار دیکھیں ؎

بھلے لوگوں کو اب اتنا مت ستاؤ جہاں والو
کہیں ان کے بھی اندر کی حلاوت بم نہ ہو جائے

....

ایک ہی جیسی ہے خونریزی کی تفصیل تمام
اب پڑھا کرتے ہیں ہم سرخیٔ اخبار فقط

...

کس خطا پر جلا ہے گھر اس کا
اب یہ معصوم کو بتائے کون

...

یہی تو کہہ گیا وہ جل کے مرنے والا بھی
اب اعتبار کے قابل نہیں اجالا بھی

موجودہ معاشرے کے ایک اہم مسئلے کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

یہ دفتروں سے لوٹتی تھکتی اداس لڑکیاں
بغیر آرزو کے جی رہی ہیں زندگی عجب

سہیل اختر کی شاعری میں ہجر کی الجھنوں کا شکوہ بھی ملتا ہے اور وصل کی خواہش بھی ہے

کہاں کہاں نہ کی اس کی پیکر صدا کی تلاش
بس ایک وہم کسی نے ہمیں پکارا تھا

....

ہو اس کی نرم ہتھیلی ہماری آنکھوں پر
وہ آئے ایسے چپکے سے کچھ خبر بھی نہ ہو

لیکن کیفیت ''ہزار بار برو صد ہزار بار بیا'' کی سی نہیں بلکہ ہے

تجھ سے ملنے کی تمنا تو بہت تھی لیکن
ہم ہیں خود راہ کی دیوار کسے کیا کہئے

اور راہ کی دیوار ہے شاعر کی خودداری، یعنی محبت بھی خودداری کے حدود میں وہ اس طرح ہے

تجھ کو چاہا مگر ہے پوجا کب
اس انا نے کیا ہے سجدہ کب

...

چاہا ہے جس قدر تجھے چاہے گا کیا کوئی
لیکن خدا معاف پرستش کبھی نہ کی

اور شاعر کے اس عمل کے ردعمل کا جواب بھی سن لیجئے

اور کیا فرق یہاں آئے گا جانے سے ترے
اپنے معمول کے اوقات بدل سکتے ہیں

..

یقیں تو آئے گا پر دیر ہو چکی ہو گی
جو میرے ہونے سے تجھ کو ہے اشتباہ ابھی

لیکن محرومی کا شکوہ بھی ہے

دل کسی چیز سے لگتا ہے کہاں جب 'وہ' نہ ہو
خود کو مصروف وہ آئے تو دکھانا تھا یونہی

....

یہ رات بھیگ چلی چاند دل سا ٹوٹ گیا
ٹپک پڑیں نہ ستارے ہی اشک تر کی طرح

...

گلہ نہیں کہ مجھے چاہتیں ملیں ہی نہیں
مگر ازل سے جو اندر رہے پیاس باقی ہے

....

ہر اک زخم کا گن کر حساب رکھا ہے
ترا دیا ہوا ایک اک گلاب رکھا ہے

سہیل کی شاعری میں معنوی تجدد کی بھی کثرت ہے۔ یہ معنوی تجدد اوج تخیل سے پوری طرح مربوط نظر آتا ہے۔ اشعار کی معنویت میں تجدد اور انوکھا پن شاعری کی سب سے بڑی خوبی تصور کی جاتی

ہے ؎

کھلتے بھی مجھ پہ کیسے اب اسرارروح کے
میں بھی توکھوگیاتھا بد ن کی تراش میں

....

میں چاہتا ہوں تمنا بھی ہو ضرورت بھر
نہ پیرتک بھی ہو چادر توفائدہ کیاہے

....

پوجنے سے بھی نہ ہو ں موم توغم مت کرنا
سنگ دل دنیامیں پتھر کے صنم ہوں گے ہی

.....

ڈوب کر اک تو سہاروں کا بھرم بھی کھل گیا
دوسرے گہرائی کا ہم کوبھی اندازہ ہوا

سہیل اختر نسلی قومی اور مذہبی گروہ بندی کے سخت خلاف نظر آتے ہیں۔ان کی نظر میں کسی بھی مذہب کا پیروکاروعلمبردار اپنے مذہب کا سچا پابندنہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے۔مثلاً آج کے مسلمانوں کا ہی جائزہ لیجئے،انہوں نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں سے اسلامی تعلیمات کو بے دخل کرر کھاہے۔اوروہ اسلامی روح سے بالکل ناآشناہوچکے ہیں۔اگراسلام سے کوئی تعلق ہے بھی تو وہ ظاہری حدتک۔ریاکاری اورنعرہ بازی کو ہی انہوں نے اصل اسلام سمجھ لیاہے۔دوسری طرف کچھ دھرم کے علمبردار ایسے بھی ہیں جودھرم کے نام پر تشدد،قتل وخونریزی ہی سچی دھارمک سیوا سمجھتے ہیں۔چنانچہ سہیل اختر کہتے ہیں ؎

ادھر اسلام بھی تکبیر والا
ادھر ترشولی مذہب بولتا ہے

موصوف کی شاعری میں کسی بھی نسلی ملکی مذہبی گروہ بندی کے بجائے ایک دوسرے کی عزت وتکریم کا ایک اعلیٰ معیار ملتا ہے۔ان کی نظر میں نسل وقوم کے بجائے صرف اور صرف انسانیت ہی عزت وتکریم کا معیار ہے۔موصوف کی شاعری میں ملکی مذہبی قومی گروہ بندی کے لئے 'رنگ' اور 'انسانیت' کے لئے ''خوشبو'' کا لفظ بطور علامت استعمال ہوا ہے۔جیسے یہ شعر

عقیدہ بھی مرا خوشبو ہے اور مسلک بھی
مری نگاہ نے رنگوں کا کب طواف کیا

......

میں نے رنگوں کی حکومت سے بغاوت کی ہے
جرم تسلیم ہے خوشبو سے محبت کی ہے

الغرض موصوف کی فنی وفکری خوبیوں کو کہاں تک شمار جائے۔کیونکہ

بس اک ذرا سا جھلکتا ہے اپنے شعروں میں
مگر دراصل جو اخترؔ ہے وہ ہے اور کوئی

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ موصوف کی شاعری کی صرف اجمالی جائزہ ہے۔اگر ان کی متعدد خصوصیات اور مختلف النوع حیثیت کی حامل شاعری کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو کسی بھی طوالت سے بچنا نہایت مشکل نظر آتا ہے۔

جو تجھ کو لکھوں تو کاغذ بھی جیسے پھیلتا ہے

سہیل اختر کی ایک غزل

ڈاکٹر ایس ٹی نوراللہ، گیسٹ لکچرار اردو، ایس وی سی آر گورنمنٹ ڈگری کالج، پلمنیر

سہیل اختر اڑیسہ کا ایسا شاعر ہے جس کی شاعری میں نئے امکانات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔جس نے نہایت تھوڑے عرصے میں بڑے خوبصورت شعری مجوعہ شائع کرکے اہل ادب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہے۔ان کی غزلیات پر لکھنے کا جناب ظہیر دانش نے حکم دیا ہے۔ظاہر سی بات ہے جب دانش صاحب کا حکم ہوتو انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔میں سہیل اختر کی غزلوں پر عمومی گفتگو کرنے کے بجائے ان کی صرف ایک غزل پر گفتگو کرنا چاہوں گا۔اس کا مطلع یہ ہے ؂

میں نے رنگوں کی حکومت سے بغاوت کی ہے
جرم تسلیم ہے خوشبو سے محبت کی ہے

اس غزل سے سہیل کی طبیعت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔کہ وہ خود شناس ہیں۔اپنے آپ کا ادراک ان کو ہے۔اپنی شخصیت کو وہ بخوبی پہچانتے ہیں۔ان کی یہ غزل اپنے آپ کو کمتر سمجھنے والوں اور احساس کمتری کا شکار لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔

خوشبو سے محبت کرنا بدبو اور بدبومزاج لوگوں سے اوران کی طبیعتوں سے کھلم کھلا بغاوت کرنا ہے۔آج کے اس دور میں جہاں انسان کو جسمانی بیماریوں کے ساتھ روحانی بیماریاں کھوکھلا کررہی ہیں۔نور کی حمایت کرنا، سچائی کی طرف داری کرنا اور روشنی کی بات کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

ہے تو ننھا دیا پھر بھی یہ جرأت کی ہے

ظلمتوں میں بھی اجالے کی حمایت کی ہے

ناامیدیاں لاکھ ہوں ۔حوصلہ شکنی کرنے والے لاکھ سر پٹیں ۔لیکن ایک حوصلہ مند انسان کسی بھی حالت میں ہارنا اور شکست کھانا نہیں جانتا۔وہ ناامیدیوں میں امید کی کرن تلاش کر لیتا ہے ۔اندھیروں میں روشنی کو تلاش کرنے ایسے شخص کے لئے نہایت آسان ہے۔یاس کا اندھیرا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔مایوسی اس سے دور بھاگتی ہے۔ایسا شخص ہمیشہ ایک آس میں زندگی گزارتا ہے۔ویسے بھی مایوسی تو کفر ہے۔اللہ تعالی نے فرمایا کہ لاتقنطو امن رحمۃ اللہ (اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو) یہ مایوسی اصل میں ایک بے ایمان شخص کی پہچان ہے۔جو شخص مومن ہے۔مسلمان ہے وہ کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتا۔

لاکھ تاریک ہو شب میری ہے امید مجھے
اک ستارے نے چمکنے کی عنایت کی ہے

امید کے ساتھ جو شخص صبر وتحمل کا دریا ہو۔زمانہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔اس پر کتنی بھی مصیبت آئے اس کے پائے استقلال میں ذرا برابر بھی لغزش نہیں آسکتی۔جو شخص اپنے اندر بحر بحر حوصلہ رکھتا ہو بھلا اس کا زمانہ کیا بگاڑ سکتا ہے۔سہیل اختر نے اپنی اسی فطرت کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے

ے

ٹوٹتی کیوں نہ قیامت پہ قیامت مجھ پر
مجھ میں جب قوت برداشت قیامت کی ہے

غزل کے ان چند شعروں پر گفتگو کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے سہیل اختر کی مذکورہ مکمل غزل نقل کر دی جائے۔ممکن ہے کہ غزل آپ سے میرے مقابلے میں زیادہ کھل کر گفتگو کرے۔ممکن ہے کہ اس غزل کے وہ معانی ومفاہیم کے در آپ پر وا ہوں۔جو مجھ پر نہیں کھل سکے

ہے

میں نے رنگوں کی حکومت سے بغاوت کی ہے
جرم تسلیم ہے خوشبو سے محبّت کی ہے

ہے تو ننھا سا دیا، پھر بھی یہ جرأت کی ہے
ظلمتوں میں بھی اجالے کی حمایت کی ہے

اب کوئی زخم ہو بھر جائے گا مجھ کو ہے یقیں
آ کے اک پھول نے کل میری عیادت کی ہے

دل سے ہی سوچتا ہوں، کچھ بھی سمجھتا ہوں کہاں
جانِ من تم نے یہ بے کار ہی زحمت کی ہے

ٹوٹتی کیوں نہ قیامت پہ قیامت مجھ پر
مجھ میں جب قوّتِ برداشت قیامت کی ہے

جس کا مصرف نہ ہو ، ہو جاتی ہے وہ شئے برباد
کس نے محسوس یہاں میری ضرورت کی ہے

لاکھ تاریک ہو شب میری ہے امّید مجھے
اک ستارے نے چمکنے کی عنایت کی ہے

Dr. S.T.NOORULLA
Guest Lecturer in Urdu
S.V.C.R Govt Degree College,Palamaner

جدید لب و لہجے کا شاعر سہیل اختر

امام قاسم ساقیؔ

چنّا منڈیم، کڈپہ

کھلے اسی پہ نہ مفہوم کیا کیا جائے
مرا کلام ہے منظوم کیا کیا جائے

سہیل اختر کا پہلا شعری مجموعہ ''کاغذ پہ صحرا'' ۲۰۰۸ء میں منظرِ عام پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکا ہے۔ آپ کی شاعری میں جدت کا عنصر جابجا نظر آتا ہے۔ موصوف نے اپنے افکار و خیالات اور تجربات کو شعر و سخن میں ڈھال کر آپ بیتی کو جگ بیتی بنایا ہے۔ مجموعۂ کلام کے مطالعے کے بعد قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ان تجربات سے ضرور اس کا بھی گزر رہا ہے۔

''کاغذ پہ صحرا'' تقریباً ایک سو چالیس غزلوں پر مشتمل مجموعۂ کلام ہے۔ مجموعۂ کلام جاذب النظر اور کاغذ و طباعت قیمتی ہے۔ موصوف نے اشعار کو جدید لب و لہجے میں پیش کیا ہے نہ صرف یہ بلکہ ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر لا کر قارئین کی عدالت میں پیش کیا ہے۔

سہیل اختر کی غزلوں کا ہر شعر جدید رجحانات کی طرف اشارہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ موصوف کے ہر شعر میں نئے اسلوب اور نئے طرز کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ہر شاعر کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے کلام کی شادابی سے قارئین کی مشامِ جاں کو معطر کرے۔ ان کو آسودہ کرے۔ ان کے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرے۔ ان کی توقعات پر پورا اُترے۔ اور اس خواہش سے سہیل اختر بھر

مبرّا نہیں ہیں۔لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ ایسی خواہشات کے پیچھے پڑ کر مجموعے کے مجموعے شائع کر دیں۔نہیں!انہوں نے جب اپنا مجموعہ شائع کیا تو اس میں نہایت منتخب کلام پیش کیا۔

موصوف نے مختلف پریشانیوں کے باوجود شاعری کو نہیں چھوڑا جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ شاعر بنتا نہیں پیدا ہوتا ہے۔وہ فطری شاعر ہیں اس لئے اسی لئے ہر حال میں شاعری سے اپنا تعلق قائم رکھا اور جس کو احساس دل عطا کیا جائے بھلا وہ شاعر کیسے نہیں ہو سکتا۔اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سہیل کہتے ہیں:

بے حسی شرط ہے جینے کے لئے دنیا میں
اور ہم لوگ کو احساس کی بیماری ہے

آپ کے کلام میں انگریزی الفاظ جابجا استعمال ہوئے ہیں۔انہیں الفاظ کو انہوں نے ترسیل کا ذریعہ بنایا ہے۔جیسے:فون،اسٹیج،ٹین،شیڈ،ایٹم بم،بالکنی،کیکٹس وغیرہ۔

سہیل نے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ممکن حد تک مشکل الفاظ کا سہارا نہیں لیا ہے۔بعض شعراء اپنے آپ کو علامۃ الدہر ثابت کرنے کے لئے بڑے بڑے ثقیل اور شیطان قسم کے الفاظ استعمال کر کے اپنے آپ کو بہت بڑا تیس مارخاں سمجھنے لگتے ہیں۔جو ان کی صریحاً غلط فہمی ہے۔اس کا تدارک ضروری ہے۔عام وفہم زبان میں انہوں نے بڑی سلیقے کی شاعری کی ہے۔استعارے بڑے اچھے انداز میں استعمال کئے ہیں۔

بقول سعید رحمانی:

"سہیل استعارہ سازی کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔درخواب،موم کا پتھر،زمین حقیقت،تصور کا جسمانا،تالاب یقیں،سنگ الفاظ،ندامت کی کیل،خواہشات کی مرغیاں جیسے خوبصورت تراکیب

کے وسیلے سے انہوں نے پرانے لفظوں کو نئے مفاہیم سے آشنا کیا ہے:

کس کو فرصت ہے رمزو اشارہ سمجھے
صاف کہنا ہے ہمیں 'نا' کہ 'ہو' ہاں' اب کی بار''

سہیل اختر کے کلام میں لفظ و معنی کے تعلق سے کئی اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں لفظ و معنی کے تعلق سے شبلی نعمانی کہتے ہیں:

''لفظ جسم ہے اور مضمون روح ہے۔دونوں کا ارتباط باہم ایسا ہے جیسے روح اور جسم کا ارتباط کہ وہ کمزور ہوگا تو یہ بھی کمزور ہوگی۔اگر معنی میں نقص نہ ہو اور لفظ میں ہو تو یہ عیب سمجھا جائے گا۔جس طرح لنگڑے یا لنجے میں روح موجود ہوتی ہے لیکن بدن میں عیب ہوتا ہے......اگر مضمون بالکل لغو ہو اور الفاظ اچھے ہوں تو الفاظ بھی بیکار ہوں گے جس طرح مردہ کا جسم کہ یوں دیکھنے سب کچھ سلامت ہے لیکن درحقیقت کچھ بھی نہیں''

چند شعر ملاحظہ فرمائیں:

رہائی قید معانی سے لفظ پانہ سکے
میں چاہتا ہوں بہت پر کہا نہیں جاتا

☆

وہ کرب روح معانی نہ کرسکے محسوس
گو زخم زخم لفظوں کے تبصرے بھی ہوئے

☆

بغاوت پر ہیں لفظ آمادہ یارو
کہو معانی اب ہوشیار ہولیں

سہیل اختر کی شاعری میں زیست کی تہہ داری محسوس ہوتی ہے۔حال کا کرب نظر آتا ہے۔وہ اپنے وجود کے تعلق سے کہتے ہیں:

ہم ہیں بے وزن بھٹکے ہوئے آوارہ وجود
اپنا مرکز اور نہ کوئی محور یارو

اختر کی شاعری میں جابجا مکالمے کا رنگ نظر آتا ہے۔سہیل باتوں باتوں میں شعر کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔سننے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ موصوف نے شعر کہہ ڈالا ہے:

نہیں آئے تو پھر خاموش رہنا
میاں! کیا ضروری ہے شعر کہنا

☆

چلو اس جان محفل سے بھی مل آئیں
سنا ہے اب وہ تنہا ہو گیا ہے

موصوف کی شاعری میں یاس ،تنہائی ،امید جنون وعشق،غم آوارگی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔سہیل نے اپنے آپ کو تنہائی سے گھبراتے ہوئے دیکھا ہے۔تو کبھی اپنے دل کو لایعنیت کے سمندر میں ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے۔کبھی اپنے درد کو بم کی طرح پھٹتے ہوئے دیکھا ہے تو کبھی اشکوں سے سمندر کو پار کرنے کے لئے امید کی پتواروں پر بھروسہ کیا ہے:

ایسی تنہائی کہ دل ڈوبنے لگتا ہے سہیلؔ

اور ہم کو کسی تنکے کا سہارا بھی نہیں

☆

یہ درد بارود بن چکے ہیں
میں شدت درد سے پھٹ رہا ہوں

☆

جنوں عشق آوارگی شاعری
نہ راس آئی اختر یہ املا ک چھوڑ

☆

پار کر جائیں گے اشکوں کا سمندر اک دن
ہم نے امید کو پتوار بنا رکھا ہے

ان اشعار میں سے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ سہیل کبھی اختر تخلص کرتے ہیں اور کبھی سہیل۔ گویا وہ اس معاملے میں غالب کے برابر ہو گئے۔

سہیل اختر تصور کی دنیا کو باغ ارم سمجھتے ہیں انہیں افلاک تصور میں تخیلات کی پرواز کے سہارے اپنے مقصد کی طرف گامزن ہونا اچھا لگتا ہے:

ہم تصور کے جہنم میں مگر
اک تصور کا ار م ہے اب تک

☆

میں روز خواب کے پیکر بنا کے توڑتا ہوں
مگر یہ فکر جو تجسیم ہونا چاہتی ہے

☆

چاند اور چاند کی تنہائی پر بہت سے شعراء نے خامہ فرسائی کی ہے مگر سہیل کا انداز بیاں اور ہے:

کیوں نہ چاند جمگھٹے کے باہر ہو
کہ انجمن بغیرحرف و نون دے دیا اسے

سہیل اختر کی شاعری میں چند خامیاں محسوس کی جاسکتی ہیں جن کی طرف اشارہ کرنا میں اپنی ادبی دیانت داری سمجھتا ہوں۔آپ جانتے ہیں تعقید شاعری کا عیب ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں لفظی ومعنوی۔لفظی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ افعال کے ٹکڑے ہو کر ایک دوسرے سے دور جا پڑنا دوسری یہ کہ متصل الفاظ کا دور دور ہو جانا۔اس کی ایک مثال سہیل کی شاعری میں دیکھی جاسکتی ہے:

کہانی ختم ہوئی لفظ لفظ لوٹا دے
رہے ہماری ترے پاس اب کتاب ہی کیوں

اہل عروض نے چند ایسے قوافی کو جائز قرار نہیں دیا ہے جو آہنگ کے اعتبار سے کسی نہ کسی حد تک قوافی تو معلوم ہوتے ہیں لیکن صوتی اعتبار سے الگ ہی نظر آتے ہیں۔مثلاً احتیاط کا قافیہ بات ہے ۔موصوف کی اسی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں:

اتر اکب معیار پہ کوئی میرا مصرعہ
آپ سے ہے شرمندہ کتنا مصرعہ مصرعہ

ان گنے چنے عیوب کے علاوہ سہیل اختر کا مجموعہ قابل رشک ہے۔امید ہی نہیں یقین ہے کہ موصوف ادب کو کچھ نیا، انوکھا اوران چھوا دینے کی کوشش کریں گے۔ناچیز کی نیک تمنائیں ہمیشہ سہیل اختر کے ساتھ رہیں گی۔ ۞۞۞

ڈوبتا ابھرتا جزیرہ

اسرار اکبر آبادی

سہیل اختر نے اپنی شعری خوبیوں کا خلاصہ اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے ؎

ہیں اپنے شعر تو روشن رخ سحر کی طرح
نہیں ہے سحر بیاں کچھ تری نظر کی طرح

انکی غزلوں میں صناعت ادب کے چار بنیادی اصول یعنی تجربہ، اظہار، نیابت اور ابلاغ کامیاب طریقے سے کارفرما ہیں۔ زبان و بیان اور ہیئت و مواد میں تناسب خوب ہے۔ اس خاص خوبی کے سبب ان کے کلام میں حسن ہے۔ اثر آفرینی ہے۔ خیالات میں تسلسل و ترتیب ہے۔ تصورات کی تشکیل وارتباط ہے۔ صنائع وبدائع کا خوب صورت استعمال ہے۔

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق ادب کا مواد انسانی جذبات ومحسوسات ہیں۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جذبات ومحسوسات کا مشاہدہ ومطالعہ اور احساس وادراک خود ادیب کے دل کو متأثر کر کے اس کے اندر جذبات ومحسوسات پیدا کرتے ہیں۔ ادیب کا غور وفکر ان عمومی جذبات واحساسات میں سے وقت کی ضرورت کے مطابق خصوصی جذبات و احساسات کو منتخب کر لیتا ہے۔ اور ان کا ادبی انداز میں اظہار کر دیتا ہے۔ یہ تمام تخلیقی عمل سہیل اختر کی شاعری میں اکثر نہایت ہی کامیاب انداز میں ہوا ہے۔ کلام میں زیادہ تر شعریت ونغمگی ہے۔ اشعار زندہ اور کلاسیکل روایات اور دائمی قدروں سے مالا مال ہیں۔ ان میں جگہ جگہ ندرت وتازگی ہے۔ افکار وخیالات میں بالغ نظری

ہے۔صداقت وخلوص ہے۔ نئے نئے تخیلات وعلامات ہیں۔لفظیات میں تازگی ہے۔روح عصر کی آواز ہے۔گردوپیش میں جوہو رہا ہے اس کا اظہار ہے۔ادب کی تحریکیں یعنی اصلاحی ،رومانی ،لسانی،حقیقت پسندی،جدیدیت،ترقی پسندی کے اثرات سہیل اختر نے اپنے مزاج اورمعیار کے تقاضوں کے مطابق قبول کئے ہیں۔اس کے علاوہ موجودہ ترین دورکی جلدبازی ،مسابقت،مصروفیت،آزادی کے نام پرذہنی غلامی اور بے راہ روی،فیشن کے نام پرعریانیت،ٹوٹی پھوٹی اعلی قدریں،روایتیں اوراس کا بیان اوردرد،شعری انداز میں ان کی غزلوں میں ہوا ہے۔

شعروادب کی کثرت اورزیادتی اس وقت ہوتی ہے جب قوم تہذیب وتمدن کے منتہائے کمال پرہوتی ہے۔اس کے قوائے عمل روبہ اضمحلال ،سست اورکمزورہونے لگتے ہیں۔کیونکہ ترقی تہذیب وتمدن کا مقصداورنتیجہ عیش وتمول ہے۔اورحد سے زیادہ عیش وتمول قوم کے قوائے عمل کو مضمحل کردیتا ہے۔آج مشینوں کی کثرت اور ہرطرح کا پولیشن اس کا بین ثبوت ہے۔آج دنیا میں ان افراد کی کثرت ہے جو ہر کام مشین سے کرنا چاہتے ہیں۔کیونکہ ان کی جسمانی ،اخلاقی اورروحانی قوتیں کمزورترہوچکی ہیں۔ان تمام کا اظہار سہیل اخترؔ کی غزلوں میں شاعرانہ انداز اورعلامتوں کے ذریعے ہوا ہے

کھلتے بھی مجھ پہ کیسے اب اسرارروح کے
میں بھی توکھوگیاتھا بدن کی تراش میں

....

بنادیاہے زمانے نے کیکٹس ہم کو
کوئی طلب نہ کرے لہجۂ گلاب یہاں

.....

جو پڑھ سکو تو پڑھو جھریوں کی تحریریں
جوانیوں میں ہو اختتم کیوں شباب یہاں

....

نمو کے شوق نے کتنا بدل دیا ہے اسے
نہ تھا یہ طوروطریقہ نمائشوں والا

اچھا ادب آلام ومصائب روزگار کو ادبی انداز میں پیش کر کے لوگوں کو گوارا بناتا ہے۔وہ لوگوں میں ہمت وحوصلہ اور امید قائم رکھتا ہے۔آخر ایک وقت آتا ہے جب آلام ومصائب ختم ہو جاتے ہیں۔اورخوشحال نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔اس طرح کافی اشعار سہیل اختر کی شاعری میں موجود ہیں۔مثلاً:

اگر جلنا مقدر ہے تو جلنا شمع کی صورت
نہ ہو خواہش کوئی ایسی جو انگارے میں رہتی ہے

....

مشینی عہد کا پرزہ ہوں اختر پھر بھی رکھتا ہوں
وہ اک پرواز کی خواہش جو طیارے میں رہتی ہے

....

جائزہ لینے میں نکلا ہی تھا باہر بچ کر
دھیرے سے تیز ہوا نے کہا ''اختر بچ کر''

....

مشعل بکف ہمیں ہی تو کرنا ہے احتجاج

پھر بعدازاں یہ آگ بجھانا ہمیں کو ہے

.....ً

ستایا سب نے ہی جب سب سے اختلاف کیا
جب اقتدار ملا میں نے سب معاف کیا

.....

نہ خواب میں بھی نظر آئیں مجھ کو پریاں
ترے خیال کو ہی میں نے کوہ قاف کیا

....

اک ضرورت نے طلبگار بنا رکھا ہے
اس پہ غیرت نے بھی خوددار بنا رکھا ہے

....ً

اکثر ترغیبات کی زد میں رہتا ہوں
پھر بھی میں اوقات کی حد میں رہتا ہوں

.....

ممکن بھی ہو جاؤں اگر مرکوز ہوا
بکھرا امکانات کی مد میں رہتا ہوں

....

ایسا نہیں کہ کوئی بھی خواہش کبھی نہ کی
بس زخم آزردگی کی نمائش کبھی نہ کی

.....

جب تجھ سے اختلاف کیا منہ پہ کہدیا
میں نے ترے خلاف تو سازش کبھی نہ کی

اعلیٰ ادب کی جھلکیاں سہیل اختر کی شاعری میں کہیں کہیں نظر آتی ہیں

اب اس زمیں پہ مستقل رہنے سے ہم اکتا گئے
سامنے ہے اک فلک گھوم آنا چاہیے

....

بنجارہ ہوں سفر ہی میری زندگی سہیلؔ
رکھتا نہیں یقین بھی میں بودوباش میں

.....

ہے خواہشوں کے جنگل میں اکثر تیرگی عجب
امید کی سرنگ کے سرے پہ روشنی عجب

.....

میں جب آیا تھا اک انجام کا آغاز لایا تھا
چھپا کر مٹھیوں میں زندگی کے راز لایا تھا

سہیل اختر کی شاعری ایک نظر میں

ڈی نظام الدین، ایس وی سی آر گورنمنٹ ڈگری کالج، پلمنیر

شعر گوئی محض ایک ذوق اور ہنر نہیں ہے۔ بلکہ ایک فطری ملکہ اور طبعی صلاحیت ہے۔ شعر کی سب سے بڑی خوبی اس کی طبعی سادگی اور تصنع و تکلف سے بالاتر ہونا ہے۔ معاصر شعراء میں سہیل اختر ایک ایسے ہی شاعر کا نام ہے۔ سہیل اختر کی شاعری محض الفاظ کی بندش اور ردیف و قافیہ کے اعتبار سے مرتب محض ایک مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اشعار میں شعر گوئی کا فطری ملکہ اور طبعی سادگی بالکل عیاں ہے۔ جو حال کے شعراء میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

ایک اور اعتبار سہیل اختر کی شاعری ممتاز ہے کہ ان کی غزلیات عشق و محبت کے بے فائدہ فسانوں اور محبوب کے متعلق بے سروپا حکایتوں سے یکسر پاک ہیں۔ اگر کہیں محبت کے پاکیزہ جذبات کا اظہار ہے بھی تو نہایت مناسب اسلوب اور تقدس آمیز انداز میں۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا سہیل ''عشاق زمانہ'' کو عشق کا صحیح مفہوم بتلاتے ہوئے اس راہ کی صعوبتیں بتلاتے ہیں ؎

عشق نازک سا وہ جذبہ ہے جو اندر اندر
کبھی چبھتا بھی رہے اور کبھی مخمل ہو جائے

سہیل کی شاعری میں جہاں موجودہ حالات کی صحیح عکاسی ہے وہیں روایات و اقدار کے کھونے کا درد بھی ؎

بھلے لوگوں کا اب اتنا مت ستاؤ جہاں والو!

کہیں ان کے بھی اندر کی حلاوت سم نہ ہو جائے
جو اتنا ظلم ڈھاؤ گے سکوں تم بھی نہ پاؤ گے
بڑا ہو کر کہیں ہر بچہ ایٹم بم نہ ہو جائے

جھوٹی تو ضع سے سہیل کو سخت چڑ ہے۔ وہ اسے بزدلی پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خود اعتمادی سب سے بڑی شئے ہے۔ ان کے مطابق

جو چل پڑیں گے تو پربت بھی راستہ دیں گے
نہ جانے کیوں ہمیں دیوار خود ہے راہ ابھی

سہیل اختر اردو کے شاعر ہیں اور اردو زبان اپنے ہی نام نہاد قدر دانوں کے ہاتھوں جس میرسی کا شکار ہے وہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہیل بارہا اپنی شاعری میں اس مظلوم زبان کے درد و غم کی داستان چھیڑتے ہیں اور اردو کے محسنین سے اپنے احسانات کا سلسلہ بند کرنے کی درخواست بایں الفاظ کرتے ہیں

مرا نصیب کہ ایسی زبان کا شاعر ہوں
کہ جس کا پڑھتا نہیں ہے کوئی اک رسالہ بھی
سہیل کیسے ادب والوں سے پڑا پالا
نہ ہوگا ان سا جہاں بھر میں بے ادب کوئی
مر رہی ہے زباں ہی جب یارو!
کیسے رہ پائے گا ادب زندہ

سہیل کی نظر تاریخی واقعات پر بڑی گہری ہے۔ اپنی شاعری میں تاریخی واقعات کو بطور تلمیح ذکر کرنے کا اگر ایک آدھ موقع بھی ان کو ملتا ہے تو وہ اسے نہیں گنواتے۔ وہ خاص طور پر واقعہ کربلا سے

ازحد متاثر ہیں۔ جب بھی ظلم کا تذکرہ آتا ہے شہید کربلا کی مظلومانہ شہادت ان کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے

نہ ہوگی عام یہاں بیعت یزید سہیل
ہیں زندہ شہر میں ہم جیسے کج کلاہ ابھی
یزیدی ظلم بھی مظلومئی ابن علی اب بھی
فقط اس کربلا کا نام اب بغداد رکھا ہے

سہیل نفرت وعداوت کے سخت مخالف اور پیار ومحبت کے نہ صرف حامی بلکہ شیدائی ہیں۔ دنیا میں ہر سو پھیل رہے نفرت کے شعلوں کے متعلق ان کی رائے یہ ہے

کیسے نفرت کی طرح شئے رہے برسوں قائم
صرف معیار محبت ہی بدلتی کیوں ہے؟

بے لوث محبت کی تائید اور غرض مندانہ پیار سے اپنے اختلاف کا اظہار یوں کرتے ہیں

پیار بھی بے غرض نہیں یارو!
ایسے عالم میں پیار کیا کرتے

باوجود اس کے کہ سہیل جدید دور کے شاعر ہیں اور جدید تعبیرات ومعانی ان کی شاعری کی محور ہے مگر الحادو لادینیت کی اس مسموم فضا اور اس کی کثافت کا سہیل کو بخوبی اندازہ ہے اور دین سے بڑھ رہی دوری پر وہ جا بجا گرفت کرتے نظر آتے ہیں۔

کچھ نہیں رسم دف خدا باقی ہے

ٹیلی ویژن وغیرہ پر آج کل جس قسم کی نشریات پیش کی جا رہی ہیں اور جس قسم کے مخرب

اخلاق اور حیا سوز مناظر کے ذریعے نئی نسل کو اخلاقی قدروں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ سہیل جیسا حساس شاعر ان باتوں سے بخوبی واقف ہے اور اپنی شاعری میں اپنے ان احساسات کی ترجمانی کرنے سے بالکل پیچھے نہیں ہٹتا ہے

ہر ایک ذہن ہر نظر پہ ہے چینلوں کا اثر
اب اختلاف رائے کی زمیں بھی سمٹ گئی
خوش نما ذوق نظر تھا تو سہی
پر یہ عریانی کہاں تھی پہلے

ملک کی فضا اکثر فسادات سے مسموم ہوا کرتی ہے۔ فسادات میں حکومت اور اہل سیاست کی جانب داری، جا بجا بے گناہوں کا بکھرا ہوا خون، خوف زدہ چہرے، اپنوں کو کھونے کے غم سے پر ملال اور نم آنکھوں کی ترجمانی ایک حساس شاعر کا قلم نہیں کر سکتا تو کم از کم رمز و کنائے کی زبان میں منظر کشی تو کر ہی سکتا ہے

وگرنہ شہر کے حالات سب ہیں قابو میں
دلوں میں تھوڑا سا خوف و ہراس باقی ہے
ہاں وہی ہے اپنے قبیلے کا کریگا سودا
ہم نے جس شخص کو سردار بنا رکھا ہے
شہر ہے بارود کے ایک ڈھیر پر بیٹھا ہوا
مشعلوں کے احتجاج امن سے سہا ہوا

یہ تو تھے سہیل اختر کی شاعری کے توصیفی پہلو، ان کی شاعری میں ایک بات جو ذرا سی بدمزگی کا سبب بنتی ہے وہ ٹھیٹھ ہندی الفاظ کا استعمال ہے جو مناسب معلوم نہیں ہوتا مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیں

ے

ملی جلی وہ گاؤں کی زندگی بھی اجڑ گئی
بسی ہے اب ''مہانگر'' میں لاتعلقی عجب
منتظر اپنا ستاروں کا جہاں ہے
اور ہم ''دھرتی ''بندھن چاہتے ہیں

اس کے علاوہ ان کی شاعری میں میری ناقص رائے کے مطابق کوئی اور عیب محسوس نہیں ہوتا اللہ کرے کی ان کی شاعری ایسے ہی ترقی کی منزلیں صبح و مساء طے کرتی رہے۔

D NIZAMUDDIN
SVCR GOVERNMENT DEGREE COLLEGE
LECTURER IN URDU
PALAMANER 517408
CHITTOOR DIST AP

نقوش پاسے بھی آگے ہے ...

شاکرامتیازی (مئوناتھ بھنجن)

سہیل اختر صاحب جدید سوچ اور فکر کے شاعر ہیں۔وہ تیز رفتار دنیا کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کو تیار ہیں۔اس کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔لوگوں کو اپنے اشعار سے اس کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

آپ کی شخصیت آپ کی شاعری میں ایک بہترین انسان کی طرح نظر آتی ہے۔ان کے اشعار میں حالات وواقعات کے جابجا تذکرے ملتے ہیں۔اپنی غزل گوئی کے لئے انہوں نے حقیقت پسندی کے میدان کو اپنایا ہے۔روایتی اور فرسودہ خیالات کو اپنی شاعری میں جگہ نہیں دی ہے۔

سہیل اختر بخوبی جانتے ہیں کہ قوم کو جھنجھوڑنے کے لئے ماضی کے واقعات یاددلانا ضروری ہے اسی لئے وہ تلمیح کا سہارا لیتے ہیں۔ان کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں

تھا کتنا نفرت وبغض وحسد دلوں میں یہاں
تمھارے شہر کا کوڑا بھی ہم نے صاف کیا

حضوراقدس ﷺ کے کئی واقعات اس شعر میں بیان کئے گئے ہیں۔تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول ﷺ نے جب مکہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا تو ہر طرف سے مخالفت کے طوفان کھڑے کئے گئے آپ کے دشمنوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔لیکن آپ ﷺ ہر ایک سے حسن سلوک کرتے تھے۔طائف کے واقعے کو کون بھول سکتا ہے کہ دشمنوں نے آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش کی مگر جواب میں آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

مکہ میں ایک عورت آپ کی اتنی دشمن تھی کہ جس راستے سے آپ جاتے اس پر ہمیشہ کانٹے بچھایا کرتی تھی۔کوڑا کرکٹ ڈالا کرتی تھی۔مگر آپ ﷺ ہمیشہ راستے سے کوڑا کرکٹ ہٹا دیا کرتے تھے۔ اس عورت کو کچھ نہیں کہتے تھے۔مزید کہ اس عورت کے بیمار پڑنے پر اس کی عیادت بھی فرمائی۔

سہیل اختر صاحب کے یہاں آپ کو قرآن سے مستفاد مضامین بھی ملیں گے۔مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیں۔

ہم سے ناکاروں کا مصرف بھی یقیناً ہوگا
کب جہاں اس نے یہ بیکار بنا رکھا ہے

اُن کا یہ شعر سورۂ دخان کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

((**وماخلقنا السموات والارض ومابينهما لاعبين. وماخلقناهما الابالحق ولكن اكثرهم لايعلمون**)) (۳۸ اور ۳۹) (ترجمہ: اور ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے کھیل کے لئے نہیں پیدا کیا ہے۔ہم نے ان دونوں کو مصلحت وحکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ (اس حقیقت کو) جانتے نہیں)

دسترس میں تو رکھی ہماری ہر شئے اس نے
صرف حالات کو دشوار بنا رکھا ہے

یہ شعر سورۂ جاثیہ کی مندرجۂ ذیل آیت کا نچوڑ ہے:

((**وسخرلكم مافى السموات ومافى الارض جميعامنه ان فى ذالك لآيات لقوم يؤمنون**)) (آیت نمبر:۱۳) (ترجمہ: اللہ تعالی نے تمھارے واسطے آسمان وزمین کی ہر شئے کو مسخر کر دیا ہے بلا شبہ غور وفکر والی قوم کے لئے اس میں (معرفت حقیقی کی) نشانیاں ہیں)

وہ کسی بھی بات کے کہنے کے لئے منفرد طریقہ اپناتے ہیں

میں چاہتا ہوں تمنا بھی ضرورت بھر
نہ ہو پیر تک بھی چادر تو فائدہ کیا ہے

.....

پوجنے سے بھی نہ ہو موم تو غم مت کرنا
سنگدل دنیا میں پتھر کے صنم ہوں گے ہی

......

اگر جلنا مقدر ہے تو جلنا شمع کی صورت
نہ ہو خواہش کوئی ایسی جو انگارے میں رہتی ہے

......

جس میں دیکھیں ترے عیب اپنے کمالات
ہم تو کوئی ایسا درپن چاہتے ہیں

سہیل اختر کی غزلوں سے ان کی حساسیت نمایاں ہے۔ اور ایک حساس انسان اپنے گردو پیش سے بے خبر نہیں رہتا۔ ایک حساس انسان جب اپنے اطراف میں ظلم و جور کے جال بنے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کا دل رونے لگتا ہے اور وہ بے اختیار چیخ اٹھتا ہے:

بھلے لوگوں کو اب اتنا مت ستاؤ جہاں والو
کہیں ان کے بھی اندر کی حلاوت سم نہ ہو جائے

....

جو اتنا ظلم ڈھاؤ گے سکوں تم بھی نہ پاؤ گے
بڑا ہو کر کہیں ہر بچہ ایٹم بم نہ ہو جائے

معاشرے میں اس وقت جہاں بہت ساری برائیاں رواج پا چکی ہیں ان میں سے ایک سوگ کا منانا بھی ہے۔کسی آدمی کے مرنے کے بعد دومنٹ کے لئے خاموش ہونا میں سمجھتا ہوں کہ یہ سوگ نہیں بلکہ مرنے والے کا مذاق اڑانا ہے:

بعد میرے رہی رونق محفل غم وہی
ہاں مگر دومنٹ کے لئے سب یہاں چپ رہے

سہیل اختر صاحب زندگی کی ہر سچائی اور ہر حقیقت کو کھلے طور پر بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔یہ اشعار دیکھئے اور ہماری تائید کیجئے:

سچ کو تائید کی حاجت نہیں تنہا ہے بہت
جھوٹ تعداد میں جتنے بھی ہوں کم ہوں گے ہی

......

سچ ہے قبول کرلیا قسمت نے جو دیا
ہے جھوٹ بہترین کی کاوش کبھی نہ کی

.....

ملی جلی وہ گاؤں کی بھی زندگی اجڑ گئی
بسی ہے اب مہانگر میں لاتعلقی عجب

بہرحال! سہیل اختر صاحب کی خوبیاں بہت ہیں جو ان کی غزل پڑھنے والا ہر شخص محسوس کرسکتا ہے۔بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ انہیں وہاں پہونچائے جہاں وہ پہونچا چاہتے ہیں:

وہاں جانا ہے جہاں راستہ نہیں جاتا

سہیل اختر کامیاب غزل گو

ڈاکٹر سید امداد اللہ

اردو گیسٹ لکچرار، بھدرک اٹانمس کالج، بھدرک، اڈیشہ

غزل میں تاثر اور سہل لفظیات کے استعمال کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اور جس شاعر کے پاس آسان لفظیات ہوں گی وہ اپنی بات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچا سکے گا۔اسے سمجھنے والے لوگ زیادہ ہوں گے۔اڑیسہ سے تعلق رکھنے والے شاعر سہیل اختر پر میرے دوست جناب ظہیر دانش نے ایک کتاب ترتیب دینے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔یقیناً یہ ایک فال نیک ہے۔کہ جن میں صلاحیتیں ہوں۔فن کی خدمت کا جذبہ ہو۔ایسے لوگوں کی یقیناً قدر افزائی کرنی چاہئے۔

سہیل اختر کا اولین مجموعہ کلام حال ہی میں منظر عال پر آیا ہے۔جو صرف غزلیات پر مشتمل مجموعہ ہے۔جس میں کوثر مظہری اور عبدالاحد ساز کے مضامین شامل ہیں۔ان حضرات کی شمولیت ہی سہیل کو معتبر فنکار بنانے کے لئے کافی ہے۔

کاغذ پہ صحراء کی غزلیں یقیناً کامیاب غزلیں ہیں۔ان غزلوں میں محبت، پیار، حوصلہ اور عمدہ لفظیات کے ذائقے موجود ہیں۔جدید لفظیات کی ایک کائنات ہے۔جدید سے میں اختراعی لفظیات مراد لے رہا ہوں۔

اظہار سے زیادہ بلاغت کنایے میں ہے۔جیسے عربی کا مشہور مقولہ الکنایۃ افصح من التصریح (کنایہ صراحت سے زیادہ فصیح ہے) اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سہیل اختر نے کہا ہے ؎

اظہار سے ڈرے ہوئے الفاظ کیا کہیں
ہے ان کہی لبوں کے خموش ارتعاش میں

اسی مفہوم کا شعر حضرت کاوش بدری نے کہا ہے لیکن ان کے یہاں موضوع گفتگو ایک تصویر ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کسی کے نرم لب کی کپکپاہٹ ہے لکیروں میں
مگر رنگوں میں استقلال کے تیور نمایاں ہیں

زندگی مسلسل سفر کا نام ہے۔ جہاں اس سفر کا خاتمہ ہوا تو زندگی ختم ہو کر رہ جائے گی۔ جو لوگ ارتقاء کے بغیر جیتے ہیں جو اپنی زندگی میں کوئی کارنامہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ دنیا کو کچھ دینے کی سعی نہیں کرتے تو ان کا رہنا اور نہ رہنا دونوں برابر ہے۔ زندہ دلی کے بغیر زندگی کا تصور کیا جا سکتا ہے مگر وہ زندگی زندہ دلی سے خالی ہوتی ہے۔ بقول اقبال ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

سہیل اختر اسی ارتقاء اور کامیابی کے حصول کو ایک سفر مسلسل گردانتے ہیں۔ ان کا یقین اسی سفر سے وابستہ ہے ؎

بنجارہ ہوں سفر ہی میری زندگی سہیلؔ
رکھتا نہیں یقین بھی میں بود باش میں

اگر زندگی میں آسائشوں کے بجائے مصیبتیں اور پریشانیاں ہوں تو زندگی ایک عذاب معلوم ہونے لگتی ہے۔ زندگی کسی کے لئے پھولوں کی وادی ہے تو کسی کے لئے وادئ پر خار۔ کسی کے لئے گلاب کی مہک ہے تو کسی کے لئے بدبو کا غار۔ مسعودہ حیات نے کہا تھا ؎

زندگی کی حقیقت بھی کیا چیز ہے ہر نظر کا الگ ہے بیاں دوستو
ہے کسی کے لئے یہ فقط رنگ و بو اور کسی کے لئے امتحاں دوستو
زندگی میں ہیں اب تو فقط حادثے مشکلیں آفتیں اور رنجے سانحے
دشمنوں کے بھی دل خون ہو جائیں گے کیا سنو گے مری داستاں دوستو

ظہیر دانش نے اس حوالے سے بڑا اچھا شعر کہا ہے۔

اہل ثروت کے تو عیش ہی عیش ہیں
پر غریبوں کو ہے اک سزا زندگی

لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے زندگی ہمیشہ امیروں کے لئے عیش وعشرت کا سامان فراہم کرتی ہو۔ان کے لئے بھی بسا اوقات زندگی ایک بھیانک خواب بن جاتی ہے۔سہیل اختؔر نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اسی لئے اگر وہ زندگی کو ایک تپسیّا سے تعبیر کرتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کرتے۔

زندگی جیسی تپسیّا سے گزر جانے کے بعد
کوئی وردان ہو وردان بھی کم پڑتا ہے

زندگی کو زندگی بنانے والی چیز خوشی و مسرت ہے۔اگر حیات میں سرور نہ ہو حیات حیات نہیں سزا بن جاتی ہے۔

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے

سہیل اختر کو غزل پر کامیاب دسترس حاصل ہے۔غزل کہنے کا فن ان کو خوب آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر موضوع پر وہ کھل کر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور کامیاب لکھتے ہیں۔سعید رحمانی نے کہا تھا:

’’غزلوں کی زبان بے حد سادہ ،سلیس اور عام وفہم ہے۔دوراز کار تراکیب سے شعری گریز نے ان کی شاعری کو فیشن زدہ جدیدیت کا لیبل چسپاں ہونے نہیں دیا۔لیکن سہیل استعارہ سازی کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں‘‘

گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے میں ان کی غزلوں کے وہ شعر پیش کرنا چاہوں گا جو مجھے اچھے لگے

چاند تاروں کا جہاں بھی میرا
اور تاریک مکاں بھی میرا

اے حقیقت تو اجاڑے گی کہاں تک مجھ کو
میں نے خوابوں میں بھی اک شہر بسایا ہوا ہے

رشتے جب ٹوٹتے ہیں ٹوٹتا ہے کون نہیں
دل نے بیکار مرے شور مچایا ہوا ہے

آج کی رات نہ ارماں کوئی رہ جائے سہیلؔ
سوئی تقدیر کو مشکل سے جگایا ہوا ہے

وہ چشم زمیں ٹھہرتا ہے ایک پل کے لئے
مگر نہیں نمی کئی دن سے کہیں بھی کوئی

لگ گیا زنگ ہی حالات کا ہم کیا کرتے
ورنہ تھا اپنے عزائم میں بھی فولاد بہت

فن ہے وہ بحر کہ جس کا نہ کوئی اور نہ چھور
اس پہ بھی تنگ ہے پیمانۂ نقاد بہت

دوستی ،پیار،خلوص اور وفاداری سہیلؔ
خوش گمانی کئے لفظ بھی ایجاد بہت
یہ شہر نام وپتہ مجھ سے پوچھتا ہے مرا
ہوا بھی ہے جو مسموم کیا جائے
اک ایک کرکے ستارے تمام ڈوب گئے
بس اک امید ہے موہوم کیا کیا جائے

Dr.Sayed Imdadullah

Guest lecturer in Urdu Bhadrak Autonomous College,

Bhadrak, Odisha

سہیل اختر کی ایک غزل ''دوسری باتوں میں اب بالکل نہ آنا چاہئے'' کا جائزہ

ایس نور جہاں، جونیئر لکچرر ان اردو، ٹی کے سی گورنمنٹ جونیر کالج، پلمنیر

سہیل اختر ایسے غزل گو شاعر ہیں جنہوں نے غزل کو خوب صورت بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے ،اگر چہ وہ پیشے کے لحاظ سے انجنیئر ہیں لیکن شاعری بہت خوب صورت کرتے ہیں، ان کی غزلوں کا مجموعہ کاغذ کے صحرا کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں ایک صد سے زائد غزلیں موجود ہیں، ان کی غزلوں میں معاشرتی رویوں کی بہترین انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے، ان کی غزل کے بارے میں مناظر عاشق ہرگانوی نے تحریر کیا ہے کہ:

> ''سہیل اختر تازہ کار غزل گو ہیں ان کی غزلوں میں مجرد تصورات ،تفلسف کی لہروں ،عقلیت کے سرمایہ اور اسلوب کی چمک سے آشنائی ہوتی ہے ۔ان کے یہاں وسیع انظری ہے، گہرائے ہے، ترکیبی ہیئت ہے، اظہار کی ساختیں ہیں ،تجسس کی لچک ہے اور عطر کے تناظر میں غور وفکر کی ترجمانی ہے، محسوسات وجذبات کی کیفیت کی ہمہ پہلو ئی بھی ان کی غزلوں کی صفت ہے''

ان کی ایک غزل کا جائزہ پیش خدمت ہے، شاعر کہتا ہے ؎

دوسری باتوں میں اب بالکل نہ آنا چاہئے
دن کوئی اچھا ملے تو ہی جانا چاہئے

جو عقلمند انسان ہوتا ہے وہ کسی کی بات نہیں مانتا، اپنے من کی کرتا ہے، جو لوگ کم عقل ہیں وہ ہر شخص کی بات پر کان دھرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو نقصان ہوتا ہے، دوسرے مصرعے میں وہ اپنے محبوب کے بارے میں

کہتے ہیں کہ محبوب کے گھر کو اسی دن جانا چاہئے جب دن اچھا ہو، یا اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے اگر ہم شعر کو عشق حقیقی میں لیں تو اللہ کے گھر کو پاک صاف ہو کر، وضو کر کے پاکیزگی کی حالت میں جانا چاہئے ناپاکی کی حالت میں اللہ کے گھر میں جان کی اجازت نہیں ہے، دن کے لفظ کے استعمال نے اس شعر کو چار چاند لگا دیا ہے۔

دوسرا شعر یوں ہے ؎

اب زمیں پر مستقل رہنے سے ہم اکتا گئے
سامنے ہے اک فلک سو گھوم آنا چاہئے

اس شعر میں شاعر سفر کرنے کی بات کرتا ہے، ایک جگہ قیام کرنے کے سے آدمی کے اندر ایک طرح کی اکتاہٹ آجاتی ہے، سستی اور کاہلی آجاتی ہے، ایک طرح کے لوگوں سے ملاقات کرنے کے بعد ایک اضمحلال کی کیفیت آدمی پر طاری ہوتی ہے اس کیفیت سے نجات پانے کے لئے آدمی کو سفر کرنا چاہئے، اپنے چاہنے والوں سے ملاقات کرنا چاہئے، مختلف لوگوں سے میل ملاپ کے بعد آدمی کے خیالات میں ایک طرح کی تازگی آتی ہے، اس کی طبیعت میں نشاط اور چستی پیدا ہوتی ہے، شاعر اس میں بہت بلیغ بات کرتا ہے کہ زمین کا سفر میرے لئے کافی نہیں ہے میں تو آسمان کی سیر کروں گا، حقیقی دنیا میں یہ ممکن نہیں ہے لیکن خیالی دنیا میں ضرور ممکن ہے، یہ بھی امکان ہے کہ شاعر انسان کے چاند پر قدم رکھنے کی طرف اشارہ کر رہا ہو، میر نے سفر کے حوالے سے بڑی اچھی کہی تھی ؎

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگانی بھی رہی تو نوجوانی پھر کہاں

قرآن کریم میں جا بہ جا حکم دیا گیا ہے کہ زمین پر چل پھر کر دیکھو دوسرے لوگوں کا انجام کیا ہوا، سیر و تفریح کرو اور عبرت حاصل کرو۔ قرآن میں کہا گیا ہے قل سیروا فی الارض (کہہ دیجئے کہ زمین کی سیاحت کریں)۔

مختلف شہروں سے کچھ پتھر اٹھا لائے ہیں ہم
پھر خرد والوں کو اک دن گھر بلانا چاہئے

یہ شعر بڑا دلچسپ ہے، اس میں خرد والوں کو سنگ ساری کرنے کی بات شاعر کر رہا ہے، اہل خرد اور عقل مند لوگ ہی معاشرے کو تباہ کرتے ہیں اپنی عیاری اور مکاری کے ذریعے، اس لئے شاعر ان کو گھر بلا کر ان کو سنگ سار کرنے کی بات کرتا ہے، شاعر کا کمال یہ ہے کہ یہ بات اشارے میں کرتا ہے واضح طور پر نہیں کرتا۔

اندرونی کرب بس اندر تک محدود ہو
یعنی گھر کو صرف باہر سے سجانا چاہئے

ہمارے معاشرے کی حقیقت بیانی ہے کہ آدمی اندر سے کتنا ہی غم زدہ کیوں نہ ہو وہ خوش رہنے کی اداکاری کرتا ہے، خوش ہونے کا دکھاوا کرتا ہے مگر انسان کیا کرے، کوئی اس کے دکھ کے بارے میں سن کر دکھ کا مداوا تو نہیں کرتا ایسے میں آدمی اپنا دکھ کیوں بیان کرے؟

ایک پرچھائیں ازل سے ہے تعاقب میں سہیلؔ
جس طرح ممکن ہو سورج کو بجھانا چاہئے

اس غزل کا آخری شعر ہے جس میں شاعر نے اپنا تخلص سہیل استعمال کیا ہے، سہیل اختر کبھی سہیل تخلص اختیار کرتے ہیں اور کبھی اختر، یہ پرچھائیں جس کی بات شاعر کر رہا ہے وہ موت ہے، افسوس کہ سہیل اختر کو موت نے نگل لیا ہے، آج سے چند سال قبل اس شاعر کا انتقال ہوا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالی ان کی مغفرت کرے۔

S NURJAHAN
JL in Urdu. TKC Govt. Junior College
Palamaner 517408
Cell: 8121818321

سہیل کی غزل

سردار ساحل، شعبۂ اردو، لکچرار یوگی ویمنا یونیورسٹی، کڈپہ

اردو ادب میں غزل کا مقام نہایت اعلی و ارفع ہے۔اردو شاعری میں متقدمین سے لے کر معاصرین تک ہر شاعر نے غزل لکھی ہے اور مبتدی غزل لکھ رہے ہیں۔کاغذ پہ صحرا جو سہیل اختر کا اولین مجموعۂ کلام ہے ۔صرف غزلوں پر مشتمل ہے۔یہ غزلیں بہت کم عرصے میں کہی گئی ہیں۔اور اکیسویں صدی کے مسائل، مشکلات، احساسات وغیرہ کو انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں غزلایا ہے اور جا بجا اپنی جدت طرازی اور انفرادیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ان کا انفراد ان کو جدید شعراء میں ایک اہم اور معتبر شاعر ثابت کرتا ہے۔ان کی شاعری پر دو بلند پایہ نقادوں نہایت عالمانہ مضامین لکھ کر ان کی عظمت اور بڑائی کا اعتراف کیا ہے۔کوثر مظہری اور عبدالاحد ساز کے مضامین کا مطالعہ کئے بنا اگر کوئی شخص سہیل کی شاعری کا مطالعہ کرے گا اور بعد میں ان حضرات کی آراء پر نظر ڈالے گا تو اسے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

سہیل اختر کی غزلیں جدید شاعری کا اظہاریہ ہیں۔جدید شاعری سے مراد نام نہاد جدیدیت نہیں ہے جس نے ایک عرصے تک ہمارے اردو قارئین کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔خواہ وہ شاعری ہو افسانہ نگاری ہو۔لامعنویت، مجذوب کی بڑ کے فروغ میں چندلوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔مگر ان کی تخلیقات کو آج کوئی نہیں پوچھتا۔کیوں؟ اس لئے کہ ان میں کوئی دم نہیں ہے۔جس تخلیق میں معنی ہی موجود نہ ہو۔جس تخلیق میں دم نہ ہو اسے نام نہاد جدیدیت کی مثال کے طور پر تو پیش

کیا جاسکتا ہے مگر ذوق سلیم کے حاملین کے سامنے اس کو نہیں رکھا جا سکتا۔ بہر کیف !ان کی تخلیقات کو نہ صرف آج پڑھا جائے گا بلکہ مستقبل میں بھی اس کی معنویت برقرار رہے گی۔

جدید ادب کا قاری اور ناقد جب جدید غزل کی تاریخ لکھے گا تو سہیل اختر کو صف اول میں یقیناً جگہ ملے گی یہ ان کا حق ہے۔ جسے ان سے کوئی ہرگز ہرگز نہیں چھین سکتا۔ سہیل اختر کے چند اہم اور خوبصورت شعر پیش ہیں ؎

ہمارے ساتھ جو دلبر ہے وہ ہے اور کوئی
مگر جو خواب کا پیکر ہے وہ ہے اور کوئی

میں اکثر اپنے پتے پر اسے نہیں ملتا
اکیلے رہنے کا جو گھر ہے وہ ہے اور کوئی

ملی جب آنکھ تو لطف نظارہ جاتا رہا
اب اس نظر میں جو منظر ہے وہ ہے اور کوئی

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے

سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں رکھتے ہیں جیبوں میں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے

ڈوب جاتا ہے تری آنکھ میں جب چاند مرا
مرے اندر کہیں سائے سا سرکتا ہے کوئی

جائزہ لینے میں نکلا ہی تھا باہر بچ کر
دھیرے سے تیز ہوا نے کہا 'اختر بچ کر'

رات آجاتی ہے جب سبز پری مت پوچھو
میں کہاں ہوتا ہوں احساس کہاں ہوتا ہے
ہے آغاز عروج اپنا تنزل مت سمجھنا
کہ میں تعمیر سے پہلے یوں ہی مسمار ہوتا ہوں
نئی تازہ ہوا سے یہ امس ہی کم نہ ہوجائے
انہیں ڈر ہے کہ اس بارش سے مٹی نم نہ ہوجائے
ٹوٹنے سے دل بس اتنا فرق آیا
اب اسے ہم انتقاما چاہتے ہیں
سیج کب پھولوں کی چاہی ہم نے یارب
چل سکیں شعلوں پہ وہ فن چاہتے ہیں
سہیل اپنا پتہ دے دیا سبھی کو مگر
رہیں نہ ہم ہی جو گھر پر تو فائدہ کیا ہے
مشعل بکف ہمیں ہی تو کرنا ہے احتجاج
پھر اس کے بعد آگ بجھانا ہمیں کو ہے
بذات خود لہو کب بولتا ہے

کوثر مظہری کہتے ہیں:

غزلوں میں اپنے جذبات اور احساست کو لفظوں کے پیکر میں ڈھالنا اور وہ بھی کامیابی کے ساتھ کوئی آسان نہیں ۔ اس وادئی غزل میں بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑائے ہیں ۔ خوشی کی بات یہ بھی ہے کہ سہیل اختر زبان وفن پر گرفت رکھتے ہیں، ساتھ ہی اپنی ایک الگ ڈگر قائم کرنے کی کوشش بھی کرتے

ہیں۔ان کی غزلوں میں نئی غزل کے نئے نئے امکانات ملتے ہیں۔امید ہے کہ خدا انہیں اس وادی غزل سے کامیابی کے ساتھ گزار دے گا۔انہیں غزل کی بھیڑ میں تماشائیوں کی پرواقطی نہیں کرنی چاہیے۔

دوستو!ان کا یہ شعر پڑھئے اور پورے مجموعۂ غزل سے سرشار ہوجائیے:

میں نے رنگوں کی حکومت سے بغاوت کی ہے
جرم تسلیم ہے، خوشبو سے محبت کی ہے

عبدالاحد ساز کا خیال ہے:

سہیل اختر پیشے کے اعتبار سے ایک ماہر اور تجربہ کار عمارتوں کو ڈیزائن کرنے والے انجینئر ہیں۔عمارت کی تشکیل اور غزل کی تخلیق میں ذہنی سطح پر ضرور کچھ مماثلتیں ہوں گی۔جس طرح وہ اپنے تصور میں بنتے ہوئے نقشے کو بڑی ہنرمندی کے ساتھ کانکریٹ کے قالب میں ڈھالتے ہیں اسی طرح اگر وہ مزید عشق و مزاولت سے اپنے اندر کے جذبہ وفکر کے سیال کو بھی اپنے الفاظ کے مطلوبہ سانچے میں ڈھال سکیں تو وہ دن دور نہیں جب انہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہے گی:

رہائی قید معافی سے لفظ پا نہ سکے
میں چاہتا ہوں بہت پر کہا نہیں جاتا

اور اپنے شعری انفرادی شباہت کی نمود کے بارے میں انہیں یہ احتمال بھی کم ہی باقی رہے گا۔

Sardar Sahil, Dept of urdu,
YVU,Kadapa A.P

سہیل اختر۔۔جدید شاعر

محمد محسن احمد (اکولہ)

حقیقت میں سچی اور اچھی شاعری کا وصف اولین یہی ہے کہ اچھے شعر دل میں بیٹھ جاتے ہیں ۔دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے والی کیفیت شعر میں پیدا ہو جاتی ہے ۔حسرت موہانی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا ؎

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ
سنتے ہی جو دل میں اتر جائیں

سہیل اختر جدید شعراء کی صف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔اختر کی سب سے بڑی خوبی روایت وجدیدیت کو ایک ساتھ لے کر چلنا ہے۔وہ ایک حساس شاعر ہیں۔ان کی غزلوں میں موضوعات کی رنگارنگی ہے ۔سیاسی بیداری،رشوت ستانی اور عالمی داداگری کو انہوں نے شدت کے ساتھ برتا ہے ؎

ادھر اسلام بھی تکبیر والا
ادھر ترشولی مذہب بولتا ہے

....

کس خطا پر جلا ہے گھر اس کا
اب یہ معصوم کو بتائے کو ن

اختؔر کے کلام میں جذبے کی صداقت ، بیان کی روانی ، برجستگی ، سادگی ،غم آمیز لہجے کی شیرینی، روزمرہ کے معروف ومقبول، مانوس ومترنم لفظیات کا اظہار بکثرت ملتا ہے:

مری امید دوری پر رکھے ستارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے

....

کس کو آئے گا یقین شعلہ صفت ہم تھے کبھی
یوں ہوئے خاک بچا اک شرارہ بھی نہیں

...

مرا نصیب کہ ایسی زبان کا شاعر ہوں
کہ جس کا پڑھتا نہیں کوئی اک رسالہ بھی

اختؔر کی شاعری جذبۂ محبت سے سرشار نظر آتی ہے۔وہ اسے اس والہانہ پن سے اپنی زندگی میں اتارتے ہیں کہ ان کے پورے وجود پر جذبۂ محبت چھا جاتا ہے۔وہ معیار محبت الٰہی بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔اسی لئے پیروی رسول ﷺ کا دم بھرتے ہیں۔جب الوطنی، حسن اور محبت کی ایک قوس وقزح ان کی شاعری میں نمایاں ہے:

ڈوبنے کا کوئی منظر چاہوں
تیری آنکھوں میں سمندر چاہوں

....

کعبۂ دل کو بچالے یارب!
پھر ابابیل کا لشکر چاہوں

....

عامیانہ ہیں مرے خون سے لکھے اشعار
محترم نے جو فرمایاہے وہی معیاری ہے

....

جس کا عادی تھا وہی چھوٹ گئی ہے اخترؔ
اب یہ عالم ہے کہ مجھے ہی نہیں حاجت میری

....

بھٹکے پھر رہے ہو کیوں تمناؤں کی بستی میں؟
تمھیں محرومیو! میرے علاوہ کون پالے گا

الغرض سہیل اختر ہجوم شاعراں میں ایک ایسے بلند اور معیاری مقام کے حامل ہیں کہ ان تک پہونچنا بہت کم شاعروں کو نصیب ہوتا ہے۔ان کا کلام اپنے معیار کی خود گواہی دیتا ہوا نظر آتا ہے۔اس میں شک نہیں ہے کہ سہیل اخترؔ غزل کا خوب سیرت اور معتبر شاعر ہے ان کی غزل یقیناً اپنے عصر کا زندہ حوالہ ہے۔

شعر سہیل اختر۔بیک نظر

ڈاکٹر بنٹی فرید علی سید، شعبۂ اردو، یوسی ایس ایس ایچ ایم ایل ایس، ادے پور، راجستھان

شاعری احساسات کی پیداوار ہوا کرتی ہے۔اگر کوئی شخص بے حس ہے تو وہ ہرگز شاعر نہیں ہوسکتا۔حساس دل انسان کا قلب شاعری کے لئے زرخیز زمین کا کام کرتا ہے۔قلب حساس پر ہی خوبصورت اور پیارے شعروں کا جنم ہوتا ہے۔

موضوع گفتگو غزل ہواور غزل گو سہیل اختر ہوتو پھر گفتگو کرنے کا مزادوبالا ہوجاتا ہے۔کیونکہ اڑیسہ کے گنے چنے شعراء میں سہیل اختر شمار کئے جاتے ہیں۔غزل کی نزاکت سے اوراس کے بانکپن سے سہیل اختر بخوبی واقف ہیں۔

سہیل اختر پیش گفتار میں لکھتے ہیں:

> ''یہ میرا پہلا مجموعہ کلام جو تقریباً ایک سو چالیس غزلوں پر مشتمل ہے۔آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ویسے میں نے نظمیں بھی کافی تعداد میں کہی ہیں۔جو عنقریب علاحدہ مجموعے کی صورت میں اشاعت پذیر ہوں گی۔چونکہ غزلیں اور نظمیں الگ الگ فکروتوجہ کی مستحق ہیں۔اس لئے میرا پہلے سے ہی الگ الگ مجموعے شائع کرانے کا خیال تھا''

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سہیل کے لئے غزل بھی سہل اور نظم بھی۔پہلا مجموعہ ہی ۱۴۰غزلوں پر مشتمل پیش کرنا یقیناً بڑی بات ہے۔آخر اس شاعر میں کتنی خوداعتمادی ہوگی جو اہل ادب

کے سامنے ایک دو نہیں بلکہ ۱۴۰ غزلیں اپنے پہلے مجموعے میں ہی پیش کر رہا ہے۔

سہیل کی غزل کسی نام نہاد رجحان کی عکاس نہیں ہے۔ترقی پسندی ،جدیدیت ،مابعد جدیدیت،ساختیات،پس ساختیات یہ تمام رجحانات ایسے ہیں کہ ایک عرصہ ہوا مغرب میں دم توڑ چکے ہیں۔اردو والے ان رجحانات کا نہ صرف ڈھنڈورا پیٹتے ہیں بلکہ ان کا پرچار کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔تخلیق کے لئے ان میں سے کسی رجحان کا لیبل لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔تخلیق کار اسی وقت اپنے تخلیقی عمل میں کامیاب ہوسکتا ہے جبکہ وہ کسی خاص نظریے کی تقلید کی کوشش نہ کرے،اس آزادنہ تخلیق عمل کی روشنی میں اگر سہیل اختر کی غزلوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہاتھ نہیں آتی۔

سہیل اختر کی غزلیں حسن وعشق کی آئینہ دار، پیار و محبت سے مملو اور حسن و جمال سے مزین ہوتی ہیں۔بقول جمیل مظہری:

”ان کی غزلوں میں حسن وعشق کی واردات اور اس سے پیدا ہونے والے

پیچ وخم کے ساتھ ایک طرح کی بے بسی اور المناکی کا احساس بھی ہوتا ہے“

یہ بے بسی اور المناکی کا احساس آخر کس کے تئیں ہے؟ وہ سماج کو سدھارنے میں بے بس ہیں۔غلط رویوں کو ختم کرنے میں بے بس ہیں۔بے شرمی و بے حیائی کے ماحول کو نابود کرنے،ظلم وجہل کی تاریکیوں کو معدوم کرنے میں بے بس ہیں ؎

ہے تو ننھا سا دیا پھر بھی یہ جرأت کی ہے
جرم تسلیم ہے خوشبو سے محبت کی ہے

فن کا تصور ان کے نزدیک لامتناہی ہے۔جیسے وہ کہتے ہیں ؎

فن ہے وہ بحر کہ جس کا نہ کوئی او رنہ چھور
اس پہ بھی تنگ ہے پیمانہ نقاد بہت

فن سے ناواقف لوگوں کے لئے خاموش رہنے کا حکم دیا جاتا ہے

نہیں آئے تو پھر خاموش رہنا
میاں! کیا ضروری ہے شعر کہنا

اگر اس شعر پر ہمارے شعراء عمل کرنے لگیں تو کیڑے مکوڑے جیسی شعراء کی تعداد میں کچھ کمی آئے۔ میرؔ و غالبؔ جیسے شعراء پھر پیدا ہوں۔

بہر کیف! سہیل کی ایک غزل کے ساتھ میں اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں

چلے جہاں سے تھے واپس وہی پہ آپہنچے
چہار سمت ہمارے کہیں بھنور ہی نہ ہو
ہو اس کی نرم ہتھیلی ہماری آنکھوں پر
وہ آئے چپکے سے ایسے کہ کچھ خبر ہی نہ ہو
کیے گئے ہیں دیارِ یقیں سے شہر بدر
تو اب دعاؤں میں شاید کبھی اثر ہی نہ ہو
سہیلؔ خوفزدہ کیوں ہیں ماہرینِ فنون
ہماری بے ہنری بھی کہیں ہنر ہی نہ ہو

Dr BANTI FARID ALI SAYED
DEPARTMENT OF URDU
U.C.S.S.H.M.L.S.U
UDAIPUR, RAJASTHAN
CELL: 9214975907

روشن امکانات بیان کرنے والا شاعر سہیل اختر

ڈاکٹر ترنم منصوری، اسسٹنٹ پروفیسر، ایم ایل ایس یو، اودے پور، راجستھان

سہیل اختر کی شاعری میں امکانات کی نئی دنیا روشن ہے، وہ مثبت سوچ رکھنے والے سچے اور اچھے شاعر ہیں ان کی پیدائش اگر چہ اڈیشہ میں ہوئی ہے لیکن ان کی شاعری پڑھتے ہوئے ہمیں اس بات کا ذرا برابر احساس نہیں ہوتا کہ ہم غیر اردو دان کی شاعری پڑھ رہے ہیں، ان کی شاعری جہاں دگر کا احساس کراتی ہے، وہ اپنے دل کی بات اپنی شاعری میں پیش کرتے ہیں، انسانیت کا فقدان، حیوانیت کا راج، اپنوں کی بے وفائی اور غیروں کی وفاداری، محبت کی مٹھاس، ہندو مسلم المیہ، انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے، ان المناک حقیقتوں کا بیان ان کی شاعری میں برملا اور جگہ جگہ ہوا ہے، وہ نہایت امانت داری اور انصاف سے اپنی بات ہمارے سامنے رکھتے ہیں ؎

کیا کبھی شب کو دن بنا پایا ؟
آدمی کو بھی اختیار ہے کچھ ؟

....

سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں جیبوں میں رکھتے ہیں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے

....

جو تجھ کو سوچوں تو روشن نئے نئے امکاں

جو تجھ کو لکھوں تو کاغذ بھی جیسے پھیلتا ہے

....

یہ دفتروں سے لوٹتی تھکی اداس لڑکیاں
بغیر آرزو کے جی رہی ہیں زندگی عجب

....

شہر کرفیو میں ہے سنسان گلی چپ ہیں شجر
کانپ جاتا ہوں جو پتا بھی کڑکتا ہے کوئی

ہمارے دور میں جو نفرت کا لاوا پھوٹ رہا ہے، اس پر بھی ان کی گہری نظر ہے، نفرت جتنی بھی بھڑکا لیں اس کا فائدہ صرف چند ووٹ حاصل کرنے تک ہے، مجھے یقین ہے کہ نفرت ایک نہ ایک دن ختم ہو گی اور محبت کا بول بالا ہو گا، دشمن کا منہ کالا ہو گا، گاؤں کے لوگوں میں ایک زمانے تک سادگی موجود تھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ شہر والوں کی طرح تکلف برتنے لگے، شہر والوں کی طرح خود غرض اور مکار ہو گئے۔

ہر ایک ذہن ہر نظر پہ چینلوں کا ہے اثر
اب اختلاف رائے کی زمین بھی سمٹ گئی

......

ایک جیسی ہے یہ خوں ریزی کی تفصیلی تمام
اب پڑھا کرتے ہیں ہم سرخئ اخبار فقط

....

ملی جلی وہ گاؤں کی بھی زندگی اجڑ گئی

سبی ہے اب مہا نگر میں لا تعلقی عجب

....

نہ نام ہے نہ شکل ہے قریب ہے نہ دور ہے
جہان بر قیات کے تعلقات بھی عجب

کوثر مظہری سہیل اختر کی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''سہیلؔ نے محبوب کو پھول کہا ہے۔زخم اور پھول میں ''رنگ اور نزاکت'' قدر مشترک ہیں۔زخم کو بھی اردو شاعری میں پھول باندھا گیا ہے۔سہیلؔ کی غزلوں میں حسن وعشق کی واردات اور اس سے پیدا ہونے والے پیچ وخم تو ملتے ہی ہیں،ایک طرح کی بے بسی اورالم نا کی کا احساس بھی ہوتا ہے۔یوں بھی کسی شخص کی افادیت وطبع میں تضادات نہ ہوں تو فن میں تنوع پیدانہیں ہوتا۔دھوپ چھاؤں اور خوش وغم کے سائے کسی تخلیق کار کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔سہیل کے یہاں بھی یہ فکری تضاد موجود ہے۔انہیں معلوم ہے کہ اس سے تخلیق میں تب وتاب اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔''

سہیل اختر اپنی لفظیات سے ایک معنویت پیدا کرتے ہیں ؎

جسے عطا کیا ہے بھوک ، ٹھوکریں ،گداگری
نہ جانے کیوں مہارت فنون دے دیا اسے

....

عشق نا زک سا وہ جذبہ ہے جو اندر اندر
کبھی چبھتا بھی رہتا ہے اور کبھی مخمل ہو جائے

....

کہاں وہ آرزو لکھتے طویل خط اس کو
یہاں تو فون بھی ہم سے کیا نہیں جا تا

....

لئے ہم فا ختہ پہو نچے کہ طئے تھا امن ہونا ہے
مگر پنی کلائی پر و ہ ظالم بازلا یا تھا

....

شہر کر فیو میں ہے ویران سڑک چپ ہیں شجر
بالکنی سے میری چڑیوں کی چہک جا تی نہیں

سہیل نہایت سادگی کے ساتھ اپنی بات ہمارے سامنے رکھتے ہیں، وہ پیچیدہ لفظوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں، بہت ہی سہل اور سادہ الفاظ استعمال کرتے ہیں، ان کے قاری کو کسی طرح کی ذہنی مشقت میں ڈالنے سے وہ گریز کرتے ہیں، سہیل کا یہ اسٹائل بہت اچھا لگتا ہے اور جب ہم ایسے شعر پڑھتے ہیں تو ان کے اسیر اور ان کی شاعری کے دیوانے ہو جاتے ہیں ۔

شہر ہے بارود کے ا یک ڈھیر پر بیٹھا ہوا
شعلوں کے احتجاج امن سے سہا ہوا

....

پار ہیں ہم سزا کس جرم کی اب کیا کہیں
ہیں یہاں انصاف کے معیار دہرے شہر میں

....

فساد میں جسے میں نے پناہ دی گھر میں

وہ شخص دل میں میرے بس گیا ہے ڈری طرح

....

جانتی ہے ہر ایک انجام بھٹکنے کا مگر
زندگی پھر بھی غلط راہوں پہ چلتی کیوں ہے

....

مجھ کو اکسا بے لوث محبت چاہتی ہے
کم ظرفوں کے شہر حسد میں رہتا ہوں

ان کی شاعری میں محبت، عشق اور رومان پورے جوبن پر نظر آتا ہے، اگر محبت کی بات نہ کی جائے تو شاعری کیا ہوگی؟ شاعری میں محبت اور عشق کا ذکر ہونا ضروری ہے

شوق آنکھوں کی انہی بھول بھلیوں میں ہے گم
شاید اب دل کی طرف کوئی سڑک جاتی نہیں

......

ترے آئینہ غم میں ہے جو چہرہ میرا
اک عجب درد کا رشتہ لگے تیرا میرا

....

یہ کپکپاہٹ بھی سسکیوں کی تمہاری اب تو
گراں ہوئی ہے تنی ہوئی میری خامشی پر

....

وہ مثل آتش و مہ مہر و ستارہ ہی سہی

جو مجھ میں پیکر انور ہے وہ ہے اور کوئی

....

یوں ہی ٹہلا کرے وہ چاند ہماری چھت پر

وہ بے چین تو اپنی رات درخشندہ ہے

الغرض سہیل اختر ایک مثبت انداز فکر اپنی شاعری کے ذریعے بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

DR TARANNUM MANSURI
Asistent Professor (gf) MLSU
UdaiPur (Rajasthan), 203, Raza Colony,Mullah talai
Udaipur, Rajasthan 313001
Email:tarannummansuri1985@gmail.com

چھوٹی زمینوں کا بڑا شاعر سہیل اختر

نازیہ سلطانہ، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، ایم ایل ایس یو، اودے پور، راجستھان

سہیل اختر اڑیسہ کے شاعر ہیں، انہوں نے اپنا پہلا شعری مجموعہ کاغذ پہ صحرا کے عنوان سے شائع کیا ہے، اس مجموعے میں نہایت معیاری اور پر کیف غزلیات موجود ہیں، اس مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے چھوٹی بحروں میں شاعری کرنے کی کوشش کی ہے اور کامیاب شاعری کی ہے، آپ جانتے ہیں چھوٹی بحر میں کام کی بات کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

جناب جاوید اختر اعظمی، سہیل اختر کی غزل کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

"سہیل اختر کی شاعری جو کہ غزل گوئی پر مشتمل ہے۔ جہاں فکری اعتبار سے ایک الگ اور منفرد انداز کی حامل ہے وہیں اس کی فنی خصوصیات اور اس کا تنوع بھی انفراد رکھتا ہے۔ 'تلمیحات' جو کہ فن شاعری کا خاص وصف ہے جس کے توسط سے تاریخ کے کسی اہم واقعے کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ جامع معنی ومفہوم سے مزین الفاظ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس وصف کی ایک عمدہ جھلک سہیل اختر کی شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔"

ان کی چھوٹی بحر میں بیان کردہ غزل کا تجزیہ ملاحظہ کریں ؎

مقتل تشنہ، منظر پیاسا

جیسے ایک سمندر پیاسا

پہلے شعر میں شاعر نے موجودہ معاشرے کی عکاسی کی ہے کہ ہر منظر اور ہر شخص آج پیاسا ہے ،کوئی مال کا،کوئی منصب کا،کوئی اقتدار کا تو کوئی جنس کا، جسے دیکھیں پیاسا ہی پیاسا نظر آتا ہے،سمندر جو دوسروں کی پیاس بجھانے کے کام آتا ہے آج ہوس لوگوں میں سینوں میں اتنی زیادہ ہے کہ اگر سمندر بھی انڈیل دیا جائے تو ان کی ہوس کی بھوک نہیں مٹے گی وہ پیاسے کے پیاسے رہیں گے۔

موجودہ منظر نامے کی شاعر نے اس پہلے شعر میں بڑے اچھے انداز میں عکاسی کی ہے اور ہمارے سامنے دنیا کی اس تاریک صورت کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

بستی اپنی ،لوگ بھی اپنے

بھٹک رہا ہوں در در پیاسا

بڑا ہی بہترین شعر ہے،جس میں شاعر کہتا ہے کہ وہ جن لوگوں کو وہ اپنے کہتا تھا جس بستی کو اپنی کہتا تھا،جن لوگوں کے لئے اس نے اپنی زندگی ،اپنا مال اور وقت سب کچھ قربان کر دیا وہ لوگ جب اسے خود پانی کی ضرورت پڑی تو کسی نے بھی اس کی پیاس نہیں بجھائی،حالانکہ سارے اپنے تھے سب اپنے تھے،اگر وہ چاہتے تو اس کی پیاس بجھا سکتے تھے لیکن کسی نے اس کی ہمت نہیں کی۔

سو بھی جاؤ،خواب کا پنچھی

لوٹ نہ جائے آ کر پیاسا

اس کے کئی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں،ظاہری معنی یہی ہے کہ نیند جب آ جائے سو جانا چاہیے کہیں نیند ناراض نہ ہو جائے اس کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب سکون اور فراغت نصیب ہوا سے

غنیمت سمجھنا چاہئے معلوم نہیں آپ کو دوبار فراغت اور سکون نصیب ہو کہ نہ ہو، حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ مشغولیت سے پہلے فراغت کو اور بیماری سے پہلے صحت کو غنیمت جان لو، ان چیزوں کی قدر و قیمت اسی وقت معلوم ہوگی جب ہم ان چیزوں سے محروم ہو چکے ہوں گے۔

ہو نہ سکے جب کوئی زخمی

واپس جائے پتھر پیاسا

پتھر جب آئے تو کسی کو زخمی کرنا ضروری نہیں ہے زخمی کیے بغیر بھی پتھر واپس ہو سکتا ہے۔

ہر ذرّہ سیراب جنوں کا

شہرِ خرد میں اختؔر پیاسا

آخری شعر بہت ہی لاجواب ہے جس میں سہیل اختر اپنی علمی پیاس بجھانے کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ علم و خرد، دانشوری کی پیاس کبھی بجھنے والی نہیں ہے ہمیشہ یہ پیاس باقی رہے گی، جنوں کے لفظ سے وہ علم کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

سہیل اختر کی شاعری کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے ایک اور مقام پر جاوید اختر اعظمی نے لکھا ہے کہ:

"سہیل اختر نسلی قومی اور مذہبی گروہ بندی کے سخت خلاف نظر آتے ہیں۔ان کی نظر میں کسی بھی مذہب کا پیروکار و علمبردار اپنے مذہب کا سچا پابند نہیں ہے جیسا کہ ہونا چاہئے ۔مثلاً آج کے مسلمانوں کا ہی جائزہ لیجئے ،انہوں نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں سے اسلامی تعلیمات کو بے دخل کر رکھا ہے۔اور وہ اسلامی روح سے بالکل

ناآشنا ہو چکے ہیں۔ اگر اسلام سے کوئی تعلق ہے بھی تو وہ ظاہری حد تک۔ ریاکاری اور نعرہ بازی کو ہی انہوں نے اصل اسلام سمجھ لیا ہے۔‘‘

الغرض سہیل اختر چھوٹی بحروں میں بات کرنے والے ایسے عظیم اور بہترین شاعر ہیں کہ ان کے معاصرین میں ویسے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

NAZIYA SULTANA
RESEARRCH SCHOLAR
DEPARTMENT OF URDU
M.L.S.U, UDAIPUR, RAJASTHAN

سہیل اختر منفرد غزل گو

ممتاز سی ایچ، اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج، کونڈوٹی

مرگیا سہیل اختر

ہوگی اب ثناخوانی

ایسے معیاری اور منفرد اشعار تخلیق کرنے والے شاعر کا نام ہے سہیل اختر، جو حقیقی مسائل کو، دنیا سے تعلق رکھنے والی چیزوں کو اپنی شاعری میں بہترین انداز میں بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، ایک طرف وہ نفرت کے پجاریوں کے گالوں پر طمانچے مارتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ہماری موجودہ دور کی کڑوی اور خطرناک فضا کے خلاف اپنی شاعری کے ذریعے جہاد کرتے نظر آتے ہیں۔

سہیل اختر کی غزل کے بارے میں جناب ذکی طارق نئی دہلی فرماتے ہیں کہ:

"سہیل اختر کی شاعری ایک کشادہ دل اور کھلے ذہن رکھنے والے ایسے فرد کی شاعری ہے جو معاشرے کے جبر اور یکسانیت کو بدل دینے کا عزم اپنے دل میں پالے ہوئے ہے۔جس کا اظہار اس نے مختلف پیرائے میں شعر کے وسیلے سے کیا ہے۔اس کی شاعری کی اساس عصری اضطراب پر رکھی ہوئی ہے۔وہ معاشرے میں پنپنے والے ہر طرح کے منفی رویوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے انسانی اقدار کی

پامالی پر تحیر سے زیادہ تجسس کا اظہار کرتا نظر آتا ہے اور یہی کاغذ پہ صحراء میں شامل غزلوں کی خوبی ہے۔''

زندگی میں مشکلیں، مصیبتیں، مصائب آتے رہتے ہیں، یہ تو زندگی کا حصہ ہے، اس سے مفر کسی فرد بشر کے لئے ممکن نہیں ہے، مایوسی جب حد سے بڑھ جاتی ہے، یاس کی تاریکی کچھ اور مزید ہو جاتی ہے یوں لگتا ہے کہ ارمانوں کی دھرتی دلدل ہوگئی ہے اس میں ساری خواہشیں ڈوبتی جارہی ہیں، جو کچھ ملا اس میں انسان خوش نہیں ہے، ان تمام باتوں کو سہیل اختر نے بڑے سلیقے کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

کچھ ایسے زخم کسی کو دکھا نہیں سکتے
کچھ ایسا درد جو بالکل سہا نہیں جاتا

....

نہ آرزو ہے کوئی اور نہ طلب کوئی
ہماری طرح جیئے نہ یوں بے سبب کوئی

...

مر چکا آنکھ میں امید کا پنچھی میرا
میرے ارمانوں کی دھرتی بھی نہ دلدل ہو جائے

...

جسے جہاں دیا قرار اس کا لے لیا
جسے نہیں دیا کچھ سکون دے دیا اس کو

فکر معاش ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں غالب نے کئی بار کہا ہے، جب غالب کی

پنشن سالانہ سات سوروپئے ہوگئی تھی اس وقت ان کی شاعری میں تلاش روزگار کے کئی حوالے مل جاتے ہیں، سہیل اختر نے اسی کے بارے میں کہا ہے کہ ؎

آیا تھا میں کچھ اور شے کی تلاش میں
الجھا دیا گیا مجھے فکر معاش میں

جب ظلم وستم حد سے زیادہ بڑھتا ہے تو ظلم ڈھانے والے کا جواب دیا جاتا ہے ؎

جو اتنا ظلم ڈھاؤگے سکوں تم بھی نہ پاؤگے
بڑا ہوکر کہیں بچہ ایٹم بم نہ ہوجائے

احساس رکھنے والا انسان دنیا میں زندگی گزار نہیں سکتا اس کے لئے بے حس ہونا ضروری ہے سہیل اختر فرماتے ہیں کہ ؎

بے حسی شرط ہے جینے کے لئے دنیا میں
اور ہم لوگوں کو احساس کی بیماری ہے

Mumtaz CH
Asistent Professor and Head
Deparment of Urdu.
Gove arts and Science college,
Kondotty, Vilayill (Kerala)

سہیل اختر کی ایک غزل کا جائزہ

انور ہادی، سکریٹری امیر النساء سوسائٹی، کڈپہ

سہیل اختر عصر حاضر کے بہترین اور ممتاز شاعر ہیں، انہوں نے غزل سے اپنی شاعری کی ابتدا کی اور کاغذ پہ صحرا کے نام سے ان کی غزلوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے جس نے اہل علم کی توجہ اپنی طرف بہت جلدی مبذول کر دی ہے ان کی شاعری پر بہت سے لوگوں نے اظہار خیال کیا ہے خاص کر کوثر مظہری جیسے عظیم ناقد اور عبدالاحد ساز جیسے بڑے شاعر نے ان کی شاعری کو سراہا ہے۔

سہیل اختر غزل کے علاوہ نظموں میں بھی اظہار خیال کرتے ہیں اور فن ترجمہ نگاری میں بھی ان کو درک حاصل ہے، ترجمہ کردہ نظموں کی ایک کتاب بھی انہوں نے شائع کی ہے، جسے پڑھ کر ان کی فن ترجمہ نگاری پر عبور کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان کی غزل سب سے جدا ہے اور سب سے منفرد ہے، کوثر مظہری نے ان کی غزل کی بہت تعریف کی ہے، ان کی غزلوں میں موجود حسن و عشق، موجودہ دور کی المنا کی اور درد کے حوالے سے انہوں نے سہیل اختر کو ایک عظیم فن کار مانا ہے، کوثر مظہری کہتے ہیں کہ:

> ”سہیلؔ نے محبوب کو پھول کہا ہے۔ زخم اور پھول میں ”رنگ اور نزاکت“ قدر مشترک ہیں۔ زخم کو بھی اردو شاعری میں پھول باندھا گیا ہے۔ سہیلؔ کی غزلوں میں حسن و عشق کی واردات اور اس سے پیدا ہونے والے پیچ و خم تو ملتے ہی ہیں، ایک طرح کی بے بسی اور الم نا کی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ یوں بھی کسی شخص کی افادیت وطبع میں تضادات نہ

ہوں تو فن میں تنوع پیدا نہیں ہوتا۔ دھوپ چھاؤں اور خوش و غم کے سائے کسی تخلیق کار کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سہیل کے یہاں بھی یہ فکری تضاد موجود ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ اس سے تخلیق میں تب و تاب اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔''

سہیل اختر کی ایک غزل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے:

آیا تھا میں کچھ اور ہی شئے کی تلاش میں
الجھا دیا گیا مجھے فکرِ معاش میں

اس میں انسان کے مقصد وجود پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ انسان کے پیدا ہونے کا مقصد اللہ تعالی کی عبادت کرنا ہے جیسا قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا وما خلقت الجن والانس الالیعبدون (میں نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا) لیکن فکر معاش ایسی پریشانی ہے جس میں ہر کوئی مبتلا ہوتا ہے اور اس میں الجھ کر جو انسان کا اصل مقصد ہے وہ فوت ہو گیا ہے، اس شعر میں الجھا گیا ہوں سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

اک سانس لینا ہی نہیں کافی مرے لئے
کچھ دھڑکنیں بھی ڈال مری زندہ لاش میں

حیات انسانی کے لئے صرف ایک سانس کیسے کافی ہوسکتا ہے اس کے لئے سانسوں کا مجموعہ چاہئے تبھی انسان زندہ رہ سکتا ہے، دوسرے مصرعے میں دھڑکنیں ڈالنے سے اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ انسان میں انسانیت کا ہونا ضروری ہے صرف سانس لینے والا انسان نہیں ہوسکتا ہے اس کے دل میں ہمدردی، غمگساری، غم سازی ہونا چاہئے، ورنہ سانس تو جانور بھی لیتے ہیں۔

کھلتے بھی مجھ پہ کیسے اب اسرار روح کے

میں بھی تو کھو گیا تھا بدن کی تراش میں

محبت صرف ظاہری جسم کا نام نہیں ہے بلکہ ایک روح کا دوسری روح سے ملن ہے، جب سے محبت جسموں سے ہونے لگی ہے تب سے ہوس وحرص کے بھیڑیے جسموں کو چیرنے اور پھاڑنے لگے ہیں اب تو محبت کا مطلب کی حصول جسم بن کر رہ گیا ہے، محبت جسم سے پرے بہت اونچا اور اعلی جذبہ ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

اظہار سے ڈرے ہوئے الفاظ کیا کہیں

ہے ان کہی لبوں کے خموش ارتعاش میں

اظہار خاص کر محبت کا اظہار بڑا مشکل کام ہے، مزا تو اس وقت آئے گا جب کہا نہ جائے اور لوگ سمجھ جائیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، اس ذیل میں جتنا گہرا رشتہ ہوگا اتنا ان کہی سمجھنے کا مادہ انسان کے اندر پیدا ہوگا۔

.بنجارہ ہوں سفر ہی مری زندگی سہیلؔ

رکھتا نہیں یقین بھی میں بودوباش میں

اس میں سہیل اختر اپنے مزاج کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ میں بنجارہ ہوں ایک جگہ رکنا یا ایک مقام پر ٹک کر رہنا میری عادت نہیں ہے۔

Anwar Hadi (S.Anwar Husain)
Agadi street, Kadapa 516001 A.P

ب

(تبصرے)

اردو بک ریویو کا تبصرہ

از: ڈاکٹر عبید الرحمٰن (دہلی)

اچھی شاعری اپنے دور اور اس سے وابستہ فکر وجذبہ سے عبارت ہوتی ہے۔ ''کاغذ پہ صحرا'' کے شاعر سہیل اختر نے پیش گفتار کے تحت اپنی ان تخلیقات کو اکیسویں صدی سے متعلق بتایا ہے اور شہروں کی پامال ہوتی ہوئی قدروں میں شعر کہے ہیں۔ میرے نزدیک سہیل اختر کی یہ خوبی انہیں صرف اپنے دور میں ہی نہیں بلکہ مستقبل میں بھی اعتبار فراہم کرے گی۔ ایسی شاعری قاری کو کہیں کہیں چونکا بھی دیتی ہے مگر بدقسمتی سے آج کل چونکانے والے شاعروں کی کمی نہیں۔ اسی لئے حسن عسکری نے یہ کہا تھا کہ ''ایک فن کار کے لئے صرف چونکا دینا کوئی کارنامہ نہیں ہوتا بلکہ اصل کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ چونکانے کے بعد اس فنکار نے ہمیں کیا کچھ دکھایا'' غور کیا جائے تو اسی کیا کچھ میں بہت کچھ پوشیدہ ہے۔ نئے تجربات کی کوشش، جدید نفسیات و تراکیب کا استعمال، نئی نئی زمینوں کو ہموار کرنے کی سعی دراصل آج کا شاعر انہیں محور پر گردش کر رہا ہے۔ ان شاعروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ایسی کوششوں میں اپنی بد دماغی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور چند وہ ہیں جنہوں نے مطالعہ اور غور و فکر سے کام لے کر ادب کے فروغ میں تعاون دیا ہے۔ اگر ایسے ہی چند سنجیدہ اور سلجھے ذہن کے شعراء کی فہرست مرتب کی جائے تو سہیل اختر کا نام بھی اس میں شامل ہوگا۔

رسائل میں کبھی کبھار سہیل اختر کی تخلیقات دیکھیں مگر وہ اس تواتر سے شائع نہیں ہوتے جیسا کہ ان کے زیادہ تر ہم عصر ہوا کرتے ہیں۔ کم چھپنا کوئی عیب نہیں مگر چونکہ مشاعروں کا اسٹیج اکثر سنجیدہ

اورخالص ادبی قسم کے شعراء کے لئے تنگ ہوتا ہے لہذا رسائل ہی ذریعے ایسے شعراء قاری تک پہونچ پاتے ہیں۔سہیل اختر اس میں بخل سے کام نہ لیں تو بہتر ہوگا۔ان کی آواز کو دور دور تک پہونچنا چاہئے کیونکہ اس میں ایک نئے معاشرے کی گونج سنائی پڑتی ہے اور یہ گونج شاعری کے ایک بڑے کینوس پر پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب میں ہمارے عہد کے دو معتبر شاعرو نقاد کوثر مظہری اور عبدالاحد ساز کی تحریریں شامل ہیں۔ان دونوں حضرات نے سہیل کی شاعری کا کھلے ذہن اور لاگ لپیٹ سے آزاد ہوکر احاطہ کیا ہے اور ایسے اشعار کا انتخاب کیا ہے جو ہمیں شاعر کے قریب کرتے ہیں اور اسے سمجھنے کی کوشش میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

زندگی کی نئی جہت کی تلاش ،اپنے اندر کی بے قراری اور بے یقینی ،تڑپ،تذبذب ،احساس تنہائی ،مفارقت ،علاحدگی ،نظام گردش دوراں اور جہان دگر کے عکس کو سہیل اختر کے یہاں تلاش کیا جاسکتا ہے۔یہ اشعار دیکھیں:

آیا تھا میں کچھ اور ہی شئے کی تلاش میں
الجھا دیا گیا مجھے فکر معاش میں

......

نہ زینے پر کوئی آہٹ نہ در پہ ہے دستک
تو کیوں سکوں سے گھر میں رہا نہیں جاتا

......

عشق نازک سا وہ جذبہ ہے جو اندر اندر

کبھی چبھتا بھی رہے اور کبھی مخمل ہو جائے

نئی غزل کے شاعر کی طبع اختراع پسند ہے۔ وہ نئی زمینوں کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔ سہیل کے یہاں بھی یہ پسند نمایاں ہے کہ انہیں نئی زمینوں، خوبصورت ترکیبوں، قوافی اور ردیفوں کو برتنے کا شوق ہے بلکہ ان کے یہاں یہ شوق ہنر بن گیا ہے۔ دیکھیں یہ اشعار:

وہ چاہتا تو مری شب بھی جگمگا اٹھتی
رخ سحر پہ مگر کولتا انڈیلتا ہے

....

کیوں تمھیں بھیگنا بارش میں بھلا لگتا ہے
میری بات اور ہے مجھ میں تو دہکتا ہے کوئی

.....

ٹھٹھر رہا تھا اپنی ہی دسمبر میں کب سے وہ
تو میں نے جا کے اپناسارا جون دے دیا اسے

....

ہو چکا خاک سب مرے اندر اندر
کیوں مری سانسوں سے جلنے کی مہک جاتی نہیں

سہیل اختر کے تازہ مجموعہ کلام ''کاغذ پہ صحراء'' کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس شاعری میں شعری اسلوب، موضوعات اور پیکر تراشی کا تنوع قابل لحاظ ہے۔ یہاں موضوعات کہیں منطقی و فلسفیانہ انداز میں بیان ہوئے ہیں تو کہیں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں عشق کی واردات و

کیفیات بھی ہیں اور جدید حسیت کا اظہار بھی:

اب کوئی زخم ہو بھر جائے گا مجھ کو ہے یقیں
آ کے اک پھول نے کل میری عیادت کی ہے

دراصل تبصرہ میں یہ گنجائش نہیں ہوتی کہ پورے مجموعے پر کھل کر گفتگو کی جائے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ''کاغذ پہ صحراء'' سے ایسے بہت سے اشعار یہاں نقل کئے جاسکتے ہیں اور ان میں پوشیدہ دنیا کو عیاں کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ سہیل اختر کا میدان سائنس ہے اور وہ شاعری بھی خوب کررہے ہیں۔ یہ بات ہی اپنے آپ میں اچھوتی ہے مگر خدا جس کو نواز دے۔ میرے نزدیک سہیل اختر کے طرز احساس اور عصری مسائل کے شعور نے ان کی غزلوں کو اجال دیا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ استعاروں پر مزید توجہ درکار ہے۔

بہت ہی حسین گٹ اپ اور عمدہ کاغذ پر مجموعہ شائع کیا گیا ہے جو شاعر کے لطیف ذوق کا آئینہ دار ہے۔ مگر حسین اور عمدہ شاعری کو شائع کرانے کے سلسلے میں شاعر اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہی صرف کرتا ہے۔ سہیل اختر کے نزدیک آج کے دور میں شاعری فضول شوق ہے اور اس شوق فضول پر ان کی گاڑھی کمائی خرچ ہوئی ہے تب یہ کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کی طرف شاعر نے صحیح اشارہ کیا ہے۔

زبان و ادب کا تبصرہ

پروفیسر علیم اللہ حالیؔ (گیا)

''کاغذی صحرا'' جناب سہیل اختر کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ہے۔تعلیم اور مشغلے کے لحاظ سے سہیل اختر سائنس کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن شعروادب کا فطری ذوق انہیں اس میدان میں اپنی تخلیقی صلاحیت پیش کرنے پر مجبور کرتا رہا ہے۔انہیں اکثر یہ احساس رہا ہے کہ ان کا یہ تخلیقی انہماک ایک اضافی ریاضت کا سبب بن رہا ہے۔چنانچہ ۹۱۔۱۹۹۰ سے شعروادب سے وابستگی کے باوجود کئی سال ایسے بھی گزرے ہیں۔جب انہوں نے اس فن لطیف سے اپنی بے توجہی کا اظہار بھی کیا ہے۔۱۹۹۵ء سے پہلے تک تخلیقی سلسلہ رک رک کر چلتا رہا۔لیکن اس کے بعد پانچ چھ برس تک بالکل خاموش رہے۔سہیل اختر پیش گفتار میں کہتے ہیں:

''یہ رکاوٹ مصروفیات کے سبب نہیں ہوئی بلکہ میں نے خوددل برداشتہ اورادب بیزار ہوکر اسے چھوڑ دیا اور یہ سوچ کر خوش تھا کہ چلو گلوخلاصی ہوئی۔''

لیکن پھر یکایک وہ اس طرف رجوع ہوئے۔اور یہ شعری مجموعہ اسی رجعت کا نتیجہ ہے۔جناب عبدالاحد ساز نے اس سکتے اور وقفے میں ایک افادی پہلو تلاش کرلیا ہے۔وہ اس کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں:

''وہ عجلت اظہار اور تسلسل شعرگوئی کی بناپر محض مشق سخن کا جوہر دکھا کر رہ جانے والی شاعری سے بھی بچ گئے۔ان بے

اظہاراورلا کلام خاموش وقفوں نے انہیں بتدریج ادراک اور تفہیم کے
مواقع فراہم کئے اورخیالات ومحسوسات ،مشاہدات و تجربات کے
پروان چڑھنے کی مہلتیں مہیا کیں‘‘

غرض سہیل اختر کے ساتھ ’’رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور‘‘ والا معاملہ ایک سچائی بن کر سامنے آتا ہے۔سماجی اورانسانی مسائل و مصائب کے سلسلے میں سہیل اختر غیر معمولی طور پر سنجیدہ اورحساس نظر آتے ہیں۔’’کاغذ پہ صحرا‘‘ میں تعارفی تحریر لکھنے والے علمائے ادب نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ سہیل اختر موجودہ عالمی مسائل سے تحرک حاصل کرتے ہیں۔شہرکاری، عالمی صارفیت کے مسائل،انسانی رشتوں کے ٹوٹنے پھوٹنے سے پیدا ہونے والے اخلاقی بحران ،استحصال، نئے معاشرتی ڈھانچے میں انفرادی خواہشات اوررویوں کے بجائے اجتماعیت کا جبر، ہرشعبۂ زندگی میں رومانی اور جمالی پہلو سے ہٹ کر میکانکی طریقۂ عمل کی مجبوری۔۔یہ اور بہت سے دوسرے مسائل ہیں جوانسان کو بالخصوص حساس شخصیتوں کومغوم ومحزون بنائے رکھتے ہیں۔انسان اپنے عدم تکمیل کی وجہ سے غمزدہ ہے۔یہ سب امور،غور کیا جائے تو انسانی نفسیات کوضرب لگاتے رہتے ہیں۔سہیل اختر کے یہاں یہ محسوسات وموضوعات ممکن ہے ان کی منظومات میں بطورخاص نظر آئیں۔جن کا مجموعہ بھی جلد ہمارے ہاتھوں میں آنے والا ہے۔ان کی غزلوں میں توان مسائل کی لطیف ترعکاسی ملتی ہے اور یہ سچ ہے کہ غزل کی صنف اس سے زیادہ کی متحمل بھی نہیں ہوسکتی۔یہاں تو اجمال سے تفصیل کی تراوش ہوتی ہے اوریہی چیز غزل کوناغزل بننے سے بچاتی ہے۔

جناب سہیل اختر کی غزلیں ان کے منفرد لہجے کی غماز ہیں۔وہ غزل کی روایتی راہوں سے نئے جاوے بنا کر قصۂ قدیم وجدید کا خاتمہ کردیتے ہیں۔ان کے یہاں بظاہر کھردرا اورراست لہجہ معنوی تہہ داری اوراظہار کی ندرت کی وجہ سے خوش گوار نظر آتا ہے۔سہیل اختر جس نئے لہجے کے ساتھ شعری

منظرنامے پر ابھر رہے ہیں۔اس سے عصری اردو غزل میں ایک دلکش آواز کا اضافہ ہوسکتا ہے۔

ان کی مندرجۂ ذیل اشعار مجھے اچھے لگتے ہیں:

اس احتیاط سے لڑنا اسی کا حصہ ہے
کسی پہ وار کرے ،مجھ کو ڈھال کرتا ہے

......

تعاقب میں مرے رہتا ہے ہردم
مرا سایہ کسی جاسوس جیسا

.....

جس کے لئے غزل ہے اسی کا نہیں ہے ذکر
کس کام کا حضور یہ طرز بیان ہے

.....

غم اور خوشی میں اگر نقطۂ نظر کا ہے فرق
بدل کے زاوئے پھر چشم تر کے دیکھتے ہیں

.....

سہیل خوف زدہ کیوں ہیں ماہرین سخن
ہماری بے ہنری بھی کہیں ہنر ہی نہ ہو

.....

کسی کو پانے کی تمنا ہے سہیل
اور کھونے کو بھی کیا باقی ہے

.....

خاک اڑانے میں ہماری یہی دشواری ہے
راکھ کے ڈھیر میں باقی ابھی چنگاری ہے

.....

تجھے میں سوچوں ملے جو فرصت
ابھی میں خودسے بمٹ رہاہوں

....

یہ چاردن کا اندھیراڈرارہا ہے سہیل
کہ جیسے ہوگی نہ اب روشنی کہیں بھی کوئی

نئی کتاب کا تبصرہ

ڈاکٹر ذکی طارق (دہلی)

"غزلِ صحرا" نوجوان شاعر سہیل اختر کا اولین شعری مجموعہ ہے۔ اگرچہ وہ شاعری کے میدان میں ابھی نئے نئے وارد ہوئے ہیں مگر مجموعہ کلام کے مطالعے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سہیل کی غزلیں سماج کے سچے اور کھرے حقائق کو پیش کرتی ہیں۔ ان کے یہاں بیشتر مضامین کی ترسیل معاشرے سے براہ راست ہوتی ہے۔ معاشرے میں در آئی پیچیدگیاں اس عہد کے مختلف مسائل اور اس کے مثبت و منفی اثرات کو انہوں نے اپنی غزلوں کا موضوع بنایا ہے اور بڑی فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ اس کو غزل کے پیکر میں تراشا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار دیکھئے:

ذہن والے کیسی الجھن چاہتے ہیں
دل نہیں رکھتے ہیں دھڑکن چاہتے ہیں

☆

جو اتنا ظلم ڈھاؤ گے سکوں تم بھی نہ پاؤ گے
بڑا ہو کر کہیں بچہ ایٹم بم نہ ہو جائے

☆

آیا تھا میں کچھ اور شے کی تلاش میں
الجھا دیا گیا مجھے فکرِ معاش میں

☆

ہمارے فن سے کماتا ہے وہ نفع تو مگر
کبھی درست ہمیں اجرتیں نہیں ملتیں

☆

بے حسی شرط ہے جینے کے لئے دنیا میں
اور ہم لوگوں کو احساس کی بیماری ہے

معاشرے کے مختلف چہروں سے وہ آنکھ ملانے کا حوصلہ رکھتے ہیں، جس سے ان کے عزم محکم کا پتہ چلتا ہے۔ زندگی کی توانا قدروں پر ان کا بھرپور یقین اور اعتماد ہے:

جو سکھ ہے دینے میں لینے میں وہ سکون کہاں
یہ میں نے جب ہوئی تسخیر انکشاف کیا

☆

تارے نہ صرف توڑ کے لانا ہمیں کو ہے
ہر گھر سے تیرگی کو مٹانا ہمیں کو ہے

بظاہر ان اشعار میں ایک سادہ سا مفہوم چھپا ہوا ہے مگر ان کی تہہ داری میں جو گہرائی ہے وہ شاعر کو حوصلہ اور قاری کو دعوت فکر دیتے ہیں۔

سہیل اختر کی شاعری ایک کشادہ دل اور کھلے ذہن رکھنے والے ایسے فرد کی شاعری ہے جو معاشرے کے جبر اور یکسانیت کو بدل دینے کا عزم اپنے دل میں پالے ہوئے ہے۔ جس کا اظہار اس نے مختلف پیرائے میں شعر کے وسیلے سے کیا ہے۔ اس کی شاعری کی اساس عصری اضطراب پر رکھی ہوئی ہے۔ وہ معاشرے میں پنپنے والے ہر طرح کے منفی رویوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے انسانی اقدار کی پامالی پر تحیر سے زیادہ تجسس کا اظہار کرتا نظر آتا ہے اور یہی کاغذ پہ صحراء میں شامل

غزلوں کی خوبی ہے۔

اس عہد کے بیشتر شعراء کی طرح سہیل کے یہاں بھی شکست آرزو کا شدید احساس، محرومی ، نارسائی اور بیزاری دیکھنے کو ملتی ہے۔مگر وہ ان تمام سے خوف زدہ بالکل نہیں ہے بلکہ زندگی کی ان نعمتوں کو بھی اپنے ذہن میں رکھتا ہے جو خدا نے انسان کو ودیعت کی ہیں۔چنانچہ وہ امیدوں اور کامرانیوں کے چراغ بھی روشن کرتا ہے اور مستقبل کے لئے نئے خواب بھی اپنی آنکھوں میں سجاتا ہے۔تجربوں کی صداقت، زبان کی سادگی، بیان کی لطافت اور عصری مسائل پر مضبوط گرفت سہیل اختر کی تخلیقی صلاحیتوں اور ہنرمندیوں کی آئینہ دار ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ''کاغذ پہ صحرا'' جو یقیناً اچھی شاعری کے ساتھ ساتھ بہترین کاغذ، سادہ اور خوبصورت ٹائٹل اور معیاری طباعت و کتابت کے ساتھ کم قیمت پر دستیاب ہے۔اردو سنجیدہ اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور پڑھا جائے گا۔

وسیلہ کا تبصرہ

ڈاکٹر ستار ساحر

صدر شعبۂ اردو وینکٹیشورا یونیورسٹی، تروپتی

اصناف شاعری میں غزل کی انفرادیت اور کمال یہ ہے کہ شاعر کہیں براہ راست تو کہیں بالکل اشاریتی انداز میں ہر مضمون کو شعر کے سانچے میں ڈھال سکتا ہے دونوں پیرائے مانوس ہیں اور مقبول بھی۔ تاہم گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے مؤخر الذکر انداز کی تاثیر کا اعتراف سارے نقادوں اور اہل ذوق نے کیا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ عصری معاملات کا براہ راست شاعرانہ اظہار آسان نہیں ہے۔ دور حاضر کے مزاج کے پیش نظر شاعر کی کامیابی کا انحصار مذکورہ دونوں پیرایوں پر اس کی قادرالکلامی پر ہے۔ اور جب بھی ہم اس دور کے شاعر اور شاعری کی بات کریں تو ان دونوں پہلوؤں پر ہماری نظر ہونی چاہئے۔ اس لحاظ سے سہیل اختر فی زمانہ خاصے اہم شاعر کہے جاسکتے ہیں اگر یقین نہیں آتا تو موصوف کے مجموعۂ غزل ''کاغذ پہ صحراء'' کے درج ذیل شعر ملاحظہ فرمائیں

سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں جیبوں میں رکھتے ہیں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے

......

مرے ہی دم سے ہوا وہ شخص معتبر مگر
نہیں اسی کے بیاں میں مرا حوالہ بھی

غزل گو عموماً نرم، سبک اور شیریں الفاظ استعمال کرتا ہے حالانکہ شاعر ہر طرح کا لفظ استعمال کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ اسے لفظوں کے استعمال کا سلیقہ ہو۔ سہیل اختر نے اپنے اشعار میں سلیقہ مند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ مثالیں:

وہ چاہتا تو میری شب بھی جگمگا اٹھتی
رخ سحر پہ مگر کولتا رانڈیلتا ہے

....

ٹھٹھر رہا ہے اپنی ہی دسمبروں میں کب سے
تو میں نے جا کے اپنا سارا جون دے دیا اس کو

.....

مشینی عہد کا پرزہ ہوں اختر پھر بھی رکھتا ہوں
وہ اک پرواز کی خواہش جو طیارے میں رہتی ہے

ان اشعار میں خط کشیدہ الفاظ کا پس منظر خود شاعر کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

''میں سائنس کا طالب علم رہا ہوں اور سائنسی موضوعات میں میری گہری دلچسپی رہی ہے تو یہ اک ڈائمنشن بھی کہیں کہیں نظر آئے گا''۔

(پیش گفتار۔ کاغذ پہ صحراء۔ صفحہ:۱۴)

غالب نے نواب تجمل حسین خاں والیٔ فرخ آباد کی تعریف میں شعر کہہ کر غزل میں قصیدہ کا پیوند لگانے کی کوشش کی اور بطور تمہید کہا:

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

پس منظر سے قطع نظر شاعر واقعتاً کبھی کبھی اپنے اندر کے جذبہ وفکر کو الفاظ کے سہارے شعر کے سانچے میں ڈھال نہیں پاتا۔ سہیل اختر نے بجا فرمایا ہے

رہائی قید معانی سے لفظ پا نہ سکے
میں چاہتا ہوں بہت پر کہا نہیں جاتا

شاید یہی بات تھی جس کو غالب نے انداز بیاں اور کہا اور انگریزی میں it's diffrent کہا جاسکتا ہے۔

سہیل اختر کی غزلوں کی خوبی تخلیقی جدت ہے۔ جو الفاظ، معانی، استعارات اور ردیفوں سے ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر

تلاش جس کی ہے وہ شئے ملے بھی کہیں سہیل
کہ جستجو کو زمانہ مری نکیلتا ہے

نکیل سے نکیلتا ہے فعل بنایا گیا ہے۔

وہ چاہتا تو مری شب بھی جگمگا اٹھتی
رخ سحر پہ مگر کولتا رانڈیلتا ہے

رخ سحر پہ کولتا رانڈ لنے کا استعارہ زمانے یا محبوب کی حد درجہ لا پرواہی اور غفلت کا اظہار ہے۔

جب سہارا ملے کافی ہے سہیل ایک تنکا
غرق پھر کرنے کو طوفان بھی کم پڑتا ہے

ردیف کم پڑتا ہے غزل کے اشعار میں نبھانا اگر مشکل نہیں ہے تو آسان بھی نہیں ہے۔

غزل خارجی نہیں داخلی صنف سخن ہے۔ اور شاعر اس میں وہی بیان کرتا ہے جو اس کے دل پر

گزرتی ہے۔اسی لئے حسن وعشق غزل کے دوخاص موضوعات ہیں۔جن سے سہیل اختر جیسے سائنسی موضوعات میں دلچسپی رکھنے والے انجنیئر شاعر بھی اپنا دامن بچا نہیں پائے

عشق نازک سا وہ جذبہ ہے جواندر اندر
کبھی چبھتا بھی رہے اور کبھی مخمل ہوجائے

..

اب کوئی زخم ہو بھرجائے گا مجھ کو ہے یقیں
آکے ایک پھول نے کل میری عیادت کی ہے

آج ہرانسان بھیڑ میں رہ کربھی تنہا ہے۔کیونکہ اس کی اپنی ایک دنیا ہے۔جس کا علم کسی کونہیں۔اس کا اندرونی کرب صرف وہی جانتا ہے۔بڑی شخصیات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے انجمن ہیں۔لیکن آج کسی کے بارے میں ایسا شاید ہی کہا جائے۔کیونکہ ہر شخص اکیلا ہے۔اس تناظر میں سہیل اختر کا یہ شعر لا جواب ہے:

میں اکثر اپنے پتے پر اسے بھی ملتا نہیں
اکیلے رہنے کا جو گھر ہے وہ ہے اور کوئی

اس پر طرہ یہ کہ ردیف ''ہے وہ ہے اور کوئی'' سہیل اختر کی شاعرانہ ندرت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

فتنہ وفساد اور دہشت گردی اس عہد کا مقدر بن کر رہ گیا ہے اور انسان اتنا بے بس کبھی نہیں تھا جس قدر آج کہ اس کے اختیار میں کچھ نہیں رہا۔سہیل اختر نے درج ذیل شعر میں ایک وحشت ناک منظر کی تصویر کھینچی ہے

شہر کرفیو میں ہے ،سنسان گلی چپ ہیں شجر
کانپ جاتا ہوں جو پتہ بھی کھڑکتا ہے کوئی

زندگی کے مصائب کا سامنا تقاضائے بشریت ہے۔لہذا ہر انسان کے کچھ دن پریشان حالی میں گزرتے ہیں۔یاس و ناامیدی کے مواقع بھی آتے ہیں۔حتی کے ہڈیوں کو بھی پگھلا دینے والے غم سے کبھی دوچار ہونا پڑتا ہے اور یہ سب کچھ جب شعر کا پیکر اختیار کر لیتے ہیں تو ان میں کشش پیدا ہو جاتی ہے۔سہیل اختر کی غزلوں کے اشعار کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائیں ؂

کچھ ایسے زخم کسی کو دکھا نہیں سکتے
کچھ ایسا درد جو بالکل سہا نہیں جاتا

....

نہ آرزو ہے کوئی اور نہ طلب کوئی
ہماری طرح جئے نہ یوں بے سبب کوئی

...

مر چکا آنکھ میں امید کا پنچھی میرا
میرے ارمانوں کی دھرتی بھی نہ دلدل ہو جائے

...

جسے جہاں دیا قرار اس کا لے لیا
جسے نہیں دیا کچھ سکون دے دیا اس کو

ایک بے کراں درد اور بے پایاں یاس و ناامیدی کے باجود سہیل اختر نے زندگی میں مثبت رویہ اختیار کرنے کی سعی کی ہے اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حوصلہ بخشا ہے۔دراصل یہ ایک فنکار کا فرض ہے جس کو سہیل اختر نے بخوبی ادا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ؂

ٹوٹتی کیوں نہ قیامت پہ قیامت مجھ پر

مجھ میں جب قوت برداشت قیامت کی ہے

....

جب اٹھاتا ہوں یقین سے میں قدم
راہ ان کی دکھلائے گماں بھی میرا

استعارہ سازی کے فن سے واقفیت کے باوجود دور از کار تراکیب وتشبیہات سے ممکنہ حد تک احتراز کرتے ہوئے دل کی واردات کو سیدھی سادی ،سلیس،عام فہم اور بول چال کی زبان میں ادا کر کے سہیل اختر نے اپنی غزلوں کی تاثیر میں اس قدر اضافہ کیا ہے کہ ہر پڑھنے اور سننے والا اسے اپنے دل کی واردات محسوس کرتا ہے

الگ ایک شخص دنیا سے ملا ہے
مگر اک شخص دنیا سے ملا تھا

....

میں گھڑی ساز ہوں لیکن میرا
وقت تبدیل نہیں ہو سکتا

....

زندہ ہیں تو ہو گی ہی
کچھ نہ کچھ پریشانی

....

میں سہیل تنہا تھا
میں سہیل تنہا ہوں

سہیل اختر کی غزلوں میں تیکھا طنز بھی ہے جو اصلاح کا پہلو رکھتا ہے

بہت پہنا تھا میں نے ذوق جمال پر جن کے
سنا ہے لوگ ہیں دنیا میں کامیاب وہی

....

مرا نصیب کہ ایسی زباں کا شاعر ہوں
کہ جس کا پڑھتا نہیں ہے کوئی ایک رسالہ بھی

اس مجموعہ غزل ''کاغز پہ صحراء'' کے مطالعہ کے بعد راقم کو موصوف کے شعر سے پورا اتفاق ہے

بس اک ذرا سا جھلکتا ہے اپنے شعروں میں
مگر در اصل جو اختر ہے وہ ہے اور کوئی

موصوف نے اپنے شباہت کی جھلکیاں دکھا کر قارئین کو ان کے دیدار کا بلاشبہ مشتاق بنا دیا ہے۔ سہیل اختر اگر پہلے سے زیادہ فن کی باریکیوں پر توجہ دیں گے تو قارئین موصوف کے شعروں میں ان کی جھلک نہیں بلکہ ''دراصل جو اختر ہے'' کا دیدار کریں گے۔۔۔

ادب ساز کا تبصرہ

از: نصرت ظہیر

سہیل اختر کی نظموں کا میں قائل رہا ہوں۔ (کچھ 'ادب ساز' میں چھپی بھی ہیں) مگر یہ صرف ان کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ جن کی تعداد 140 ہے۔ سہیل اس لحاظ سے اکیسویں صدی کے شاعر ہیں کہ انہوں نے شعر گوئی کی ابتداء اگرچہ 1990 کے آس پاس کردی تھی۔ مگر اس میں 2000 کے بعد ہی کچھ جان پیدا ہوئی۔ اور زیرنظر پہلا مجموعہ ان کی 2001 کے بعد کی غزلوں پر مشتمل ہے۔

مجموعہ نہایت سلیقے سے، بہت ہی عمدہ کاغذ پر چھاپا گیا ہے۔ بہت عمدہ کاغذ پر شاید اس لئے کہ اس کا نام ہی کاغذ پہ صحرا ہے۔ اختر صاحب نے سوچا ہوگا صحرا تو صحرا ہی ہوتا ہے اس پر کسی کا کیا زور۔ کاغذ اپنے ہاتھ کی چیز ہے۔ کیوں نہ صحرا سے بہتر لگوا دیا جائے۔ ورنہ آج کل تو شعری مجموعے ایسی بری شاعری، ایسے برے کاغذ پر اور ایسی بری طباعت و جلد سازی کے ساتھ جلد بازی میں چھاپ دئے جاتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ ان کا نام صحرا پہ صحرا، یا صحرا ہی صحرا یا صرف صحارا رکھ دیا جائے۔

یوں تو مجموعے میں تین مضمون بھی شامل ہیں۔ ایک عبدالاحد ساز کا، ایک کوثر مظہری کا اور ایک خود سہیل اختر کا۔ مگر تینوں میں زیادہ کام کی معلومات سہیل اختر کے پیش گفتار سے ملتی ہیں۔ جو سمجھ میں آجاتی ہیں ورنہ:

".....شعور حسیت آج کے شاعر کے یہاں خوب ملتا ہے۔ داخلی حسیت پر خارجی جبریت کا احساس بھی شاعروں کا سرمایۂ تخلیق ہے....." (کوثر مظہری)

اور:

’’....جس طرح وہ اپنے تصور میں بنتے ہوئے (عمارت کے) نقشے کو بڑی ہنر مندی کے ساتھ کانکریٹ کے قالب میں ڈھالتے ہیں اسی طرح وہ مزید مشق و مزاولت سے اپنے اندر کے جذبہ و فکر کے سیال کو بھی اپنے الفاظ کے مطلوبہ سانچے میں ڈھال سکیں تو...‘‘(عبدالاحد ساز)

جیسے عالمانہ جملے پڑھ کر تو سر کے (اپنے سر کے) بال نوچ لینے اور گریباں (اپنا گریباں) پھاڑ لینے کو جی چاہتا ہے۔لہذا غالب کو یاد کرتا ہوں۔مرزا نے کہا تھا:

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

چنانچہ سہیل اختر کی غزل گوئی پر اپنے دل کا معاملہ بیان کرنے کے لئے مذکورہ طرز کے جملے لکھنے کے بجائے دل کو لگنے والے ان کے اشعار کا مختصر انتخاب نظر کرتا ہوں:

ہو نہ انہونی تو امکان بھی کم لگتا ہے
ایسے حالات میں وجدان بھی کم لگتا ہے

شب گئے کرتا ہے بے چین جب انجان سا درد
پھر مری جان ترا دھیان بھی کم پڑتا ہے

ہمارے ساتھ جو دلبر ہے وہ ہے اورکوئی
مگر جو خواب کا پیکر ہے وہ ہے اورکوئی

میں اکثر اپنے پتے پر اسے نہیں ملتا
اکیلے رہنے کا جو گھر ہے وہ ہے اورکوئی

ملی جب آنکھ تو لطف نظارہ جاتا رہا
اب اس نظر میں جو منظر ہے وہ ہے اورکوئی

مری امید دوری پر رکھے تارے میں رہتی ہے
خوشی بھی ایک نامعلوم سیارے میں رہتی ہے
سنا ہے یار لوگ اب سوئیاں رکھتے ہیں جیبوں میں
انہیں لگتا ہے ہمت میری غبارے میں رہتی ہے
ڈوب جاتا ہے تری آنکھ میں جب چاند مرا
مرے اندر کہیں سائے سا سرکتا ہے کوئی
ہے آغاز عروج اپنا تنزل مت سمجھنا
کہ میں تعمیر سے پہلے یوں ہی مسمار ہوتا ہوں
نئی تازہ ہوا سے یہ امس ہی کم نہ ہو جائے
انہیں ڈر ہے کہ اس بارش سے مٹی نم نہ ہو جائے
ٹوٹنے سے دل بس اتنا فرق آیا
اب اسے ہم انتقاما چاہتے ہیں
سیج کب پھولوں کی چاہی ہم نے یارب
چل سکیں شعلوں پہ وہ فن چاہتے ہیں
سہیل اپنا پتہ دے دیا سبھی کو مگر
رہیں نہ ہم ہی جو گھر پر تو فائدہ کیا ہے
مشعل بکف ہمیں ہی تو کرنا ہے احتجاج
پھر اس کے بعد آگ بجھانا ہمیں کو ہے
بذات خود لہو کب بولتا ہے

چڑھے یہ سرکہیں تب بولتا ہے
مرے زیاں میں ہے نفع اس کا
وہ بڑھ رہا ہے میں گھٹ رہاہوں
قلم کاغذوہ دے گا تحفتاًاور پھر محبت سے
ہماری انگلیاں ایک ایک کرکے کاٹ ڈالے گا
ٹھیک تھی کشتی مگرسوراخ ہم نے کردیا
ڈوبنے کوبھی توآخرکچھ بہانہ چاہیئے
ایک پرچھائیں ازل سے ہے تعاقب میں سہیل
جس طرح ممکن ہو سورج کو بچاناچاہیئے
اس طاق بھر یقین کا کچھ تو لحاظ رکھ
گھر میں خداکے واسطے جائے نمازرکھ
یاسانس لینے والوں سے مجھ کو بلند رکھ
یاایسے زندہ رہنے سے اب مجھ کو باز رکھ

ظاہر ہے اس انتخاب سے رسوائی ہوئی تو میری ہوگی۔ سہیل اختر صاف بچ جائیں گے گوکہ اتنے اچھے دل کو لگنے والے ایک دواشعاران کی ہر غزل میں ہیں اور آج اکیسویں صدی میں یہ ایک بڑی بات ہے۔

ڈاکٹر ظہیر دانش عمری کی کتابیں

(۱) تا بہ فلک (مضامین)

(۲) جامعہ دار السلام کا ایک دن

(۳) کلیات کاوش بدری (مرتب)

(۴) دس عالم شعرا

(۵) وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

(٦) زمیں پر بنے آسماں (مولانا زاہد اعظمی کے خاکے)

یہ کتاب اور اس کے مرتبین

یہ کتاب اردو کے مشہور شاعر جناب سہیل اختر کی شاعری پر تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جس میں مختلف ناقدین اور محققین نے سہیل اختر کی شاعری کے مختلف جہات پر اپنے قلم سے روشنی ڈالی ہے اور اس شاعر کی فنی عظمت کا برملا اعتراف کیا ہے، سہیل اختر بلا شبہ ہمارے عہد کے عظیم فنکار ہیں جن کی قدر نہ کرنا ناشناسی اور ناسپاسی ہوگی۔

اس کتاب کے مرتبین میں دو نام ہیں ایک ڈاکٹر ظہیر دانش عمری کا نام ہے جن کی علمی کاوشوں اور علمی خدمات سے کون واقف نہیں ہے، انہوں نے مسلسل علم و ادب کا کام کیا ہے، تا بہ فلک ،دس عالم شعراء، جامعہ دارالسلام کا ایک دن، وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار، کلیات کاوش بدری، اوزان عرب وغیرہ ان کی تنقیدی کتابیں ہیں، جو شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔

اس کتاب کے مرتبین میں دوسرا نام ناہیدہ بیگم کا ہے جو گرراج کالج میں پرنسپال کے عہدے پر فائز ہیں، انہوں نے اپنی علمی نگارشات اور ادبی تخلیقات سے اردو دنیا کو متاثر کیا ہے، حال ہی میں انہوں نے یو جی سی سے ایک کامیاب پروجکٹ بھی مکمل کیا ہے، جو ان کی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں کا غماز ہے۔

عبداللہ نادر صدیقی عمری